

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا

وہابی تحریک

تصنیف: ڈاکٹر محمد خلیل ہر اس

ترجمہ: محمد خالد سیف

طاہر اکیڈمی فیصل آباد

WWW.IRCPK.COM

وہابی تحریک



ترجمہ: محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی

ایس اے سنٹر چنیوٹ بازار فیصل آباد

برائچ • غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

جمالِ سراسر گمراہی ہے

جملہ حقوق محفوظ ہیں



طبع اول مئی 2000ء / صفر 1421ھ

قیمت

30/- روپے صرف

طباعت

زاہد بشیر پرنٹرز

ترتیب

محمد سرور طارق

TARIQ ACADEMY

S.A. CENTRE, CHINIOT BAZAR,
FAISALABAD-PAKISTAN.

فہرست

۵	۱	پیش لفظ
۱۳	۲	مقدمہ
۱۵	۳	<u>وہابی تحریک کی بنیادیں</u>
۱۷	۴	وہابی تحریک کی نشاۃ
۱۷	۵	وہابی تحریک اور دعوتِ توحید
۲۰	۶	وہابی تحریک اور دعوتِ اہل اللہ
۲۲	۷	ایک عظیم اسلامی اصول
۲۷	۸	زندہ اور مردہ خداؤں کی پرستش
۲۸	۹	صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ سلف کا مذہب
۳۳	۱۰	<u>یہ تحریک نحرابی نہیں، بلکہ تعمیری ہے</u>
۳۱	۱۱	مذہبی جھگڑا اس تحریک کا کام نہیں
۳۳	۱۲	وہابیت اور اسلامی میراث
۳۵	۱۳	تقلید نہیں، بلکہ اتباعِ حق
۳۶	۱۴	اس تحریک کا قابلِ فخر کارنامہ

۳۸	تحریک تجدید و احیائے دین	۱۵
۴۰	دو غلطیاں	۱۶
۴۲	محض سنی سنائی باتیں	۱۷
۴۳	اصلاحی تحریک یا علمی اکیڈمی	۱۸
۴۶	وہابی تحریک اور منکر جدید	۱۹
۴۷	سعودی عرب میں علمی تحریک	۲۰
۴۸	یہ ایک اصلاحی تحریک ہے	۲۱

۲۲ وہابی تحریک — افکار و اعمال کے آئینہ میں

۵۱	دعوت و عمل	۲۳
۵۲	اسلام تہذیب اور ٹیکنالوجی	۲۴
۵۷	نظام حیات اور اسلامی اساس پر استواری	۲۵
۶۰	سعودی عرب میں اسلامی قانون کا تجربہ	۲۶
۶۸	وہابی تحریک کا اسباب حیات سے استفادہ	۲۷
۷۰	حق کی طرف رجوع باطل میں م سرگردانی سے بہتر ہے	۲۸



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ مہتمم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی خوبی قسمت پر کون ناز نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بارہویں صدی ہجری میں صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کے گہوارے سے ایک ایسی شخصیت کو توفیق بخشی جس نے پہلے تو مکمل طور پر آپ کی تعلیمات کو حاصل کیا، گہرے تدبر اور سوچ بچار کے بعد یہ یقین کیا کہ یہ تعلیمات کتاب و سنت کے عین مطابق اور یہ طریق دعوت حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز دعوت و تبلیغ کی مکمل اتباع ہے، تو پھر آپ نے بھی شرک و بدعات کے خلاف جنگ، رسوم و خرافات کی مخالفت، لوگوں کو توحید خالص کی دعوت اور مسلمانوں کو کلمتی و ذلت کی انتہاء گہرائیوں سے اٹھا کر عزت و قوت کے اورج ثریا پر مقیم کرنے کے سلسلے میں اسی راہ کو اختیار کیا، جسے قبل ازیں آٹھویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہؒ اختیار فرما چکے تھے۔

امام محمد بن عبد الوہابؒ نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو صورتِ حال دیکھ کر تڑپ تڑپ اٹھے۔ جی ہاں! اس صورتِ حال پر ہر اس انسان کو تڑپنا ہی چاہیے تھا جس کے دل میں ایمان کی رمق موجود ہو، کیونکہ بقول امریکی اہل قلم اسٹاڈنٹ صورتِ حال یہ تھی:

”مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔ تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا۔ مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔ جاہل عوام ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ گنڈے اور مالامالیں

پھنس کر گندے فقیروں اور دیوانے درویشوں پر اعتقاد رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزارات پر زیارت کو جاتے جن کی پرستش بارگاہِ انبوی کے شیخ اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جابلوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی برتری کے باعث وہ اس کی اطاعت بلا واسطہ ادا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کی تعلیم نہ صرف پس پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اس کی خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ یہاں تک مقاماتِ مقدسہ (مکہ و مدینہ) ہذا اعمالیوں کا مرکز بن گئے تھے اور حج جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں داخل فرمایا تھا، بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا۔ فی الجملہ اسلام کی جان ہی نکل چکی تھی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دنیا میں تشریف لاتے، تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور جنت پرستی پر زاری کا اظہار فرماتے۔“ لہ

یہ تو حجاز اور مقاماتِ مقدسہ کا حال تھا، لیکن جزیرۃ العرب کے قلب یعنی نجد کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ دادی حنیفہ میں کھلبے بندوں زید بن خطاب کی قبر پرستش کے لیے مرجع عام تھی۔ درعیہ میں بعض صحابہ کرام کے نام سے منسوب قبریں اور دادی غبیہ میں صرار بن ازور کا قبة شرک کے مرکز بنے ہوئے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بلیدة الغلاء میں ایک پرانے درخت کے ساتھ جو ان مرد اور عورتیں جو سلوک کرتی تھیں، ان کے بیان سے سرزد امت سے جھک جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ عورتیں جو اولاد سے یالوس ہو چکی ہوتی تھیں، وہ اولاد کی تمنا میں اس درخت سے

لہ NEW WORLD OF ISLAM P-25-26

بحوالہ محمد بن عبد الوہابؒ ایک مظلوم اور بدنام مصلح، از مولانا مسعود عالم ندوی ص ۲۲-۲۵

مطبوعہ طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

ہمکنار ہوتیں۔ نیز درعیمہ کا غار بھی حد درجہ شرمناک برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ الغرض اب وہ وقت آئینچا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے جیسا کہ آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْاُمَّةِ
عَلٰی رَاسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْ
یَّحْدٍ وَلَهَا دِیْنُهَا۔
اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے
لیے ایسے لوگ اٹھاتا رہے گا جو اس کے
لیے اس کے دین کو تازہ کریں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کو جب یہ اپنی بد اعمالیوں، اللہ اور رسول کی نافرمانیوں اور شرک و بدعت و خرافات کی سیہ کاریوں میں مبتلا ہونے کے باعث جادہ حق سے منحرف ہو جائے گی، تو وہ ایسے اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو اسلام کی حقیقی تعلیمات کو زندہ کر دیں گے، دین کو تازہ اور امت کو سرگرم عمل کر دیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ اس دین میں ایسے اشخاص عطا کرنے کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود ہے جس کا اس سے پہلے کبھی کسی دین سے اظہار نہیں ہوا تھا اور امت مسلمہ جیسی مرموز خیز ثابت ہوتی ہے۔ دنیا کی اقوام و ملل اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں اور یہ محض حُسن اتفاق نہیں، بلکہ مذکورہ ارشاد نبوی کی روشنی میں معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ سراسر انتظام الہی ہے۔

اسی کو انتظام یا سنت الہی کہہ لیجئے، کے مطابق بارہویں صدی ہجری میں تحریفات، تاویلات، عجبی اثرات، خرافات، بدعات، مشرکانہ اعمال و رسوم، مادیت، الحاد، لادینیت، زندلیت اور عقلیت پرستی کی بیخ کنی کے لیے تجدید و احیائے دین کا تاج جس شخصیت کے سر پر سجایا گیا، وہ مجدد القرن الثانی عشر، امام عالی مقام شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

یہ شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب ہی تھے جنہوں نے تاریکیوں اور گمراہیوں میں حق کے چراغ روشن کیے جنہوں نے سرزمین حجاز کے لوگوں کی زندگی، عقائد اور

اخلاق میں ایک بار پھر غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیا جن سے حجاز کے سعودی خاندان نے جہان فانی کے گر سیکھے اور جن کی بدولت علم و فضل کے دبستان کھلے اور ان میں قال اللہ و قال الرسول کی دل آویز صدا تیں گونج گونج اٹھیں۔

آپ بچپن ہی سے امرا المعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے۔ ابھی فقہ وحدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ بدعات و خرافات ان کی آنکھوں میں کھینچنے لگے اور جہاں کوئی بات دین و شریعت کے خلاف دیکھتے، فوراً نہی عن المنکر کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی کوشش فرماتے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ نے آنکھ اٹھا کر چاروں طرف دیکھا، تو ماحول گمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا نظر آیا؛ چنانچہ آپ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ، تبلیغ دین، اشاعت توحید و سنت اور جہاد فی سبیل کے لیے کمر ہمت کس لی اور اس وادی پر خاریں آپ کو بھی وہ سب مصیبتیں جھیلنا پڑیں اور ان تمام آلام و مصائب کا تختہ مشق بنا پڑا جوابل حق کو پیش آیا کرتے ہیں، لیکن آپ نے بھی اصحاب تجدید دین اور ارباب دعوت و عزیمت کی طرح استقامت کا بھرپور مظاہرہ فرمایا۔ بڑے سے بڑے آلام و مصائب آپ کے پایہ استقلال میں قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکے۔ آپ عزیمت و استقامت کا کوہ گراں بننے حالات کے تند و تیز طوفانوں کا مقابلہ کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت و حمایت کی یہ صورت پیدا فرمادی کہ جن دنوں آپ نے درعیہ کو اپنی دعوت توحید و تحریک احیائے دین کا مرکز بنایا ہوا تھا، انہی دنوں وہاں کے امیر محمد بن سعود کی بیوی موصیٰ کے دل پر خود بخود شیخ کے علم و فضل کا سکہ جم گیا اور اُس نے امیر سے عرض کیا؛

”اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہارے ہاں بھیج دی ہے، اُٹھو!

اور اس کی مدد کرو، تمہاری دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔“

امیر محمد بن سعود اپنی بیوی کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوا اور اس کے دل میں شیخ کی محبت گھر کر گئی، چنانچہ انہوں نے شیخ سے ملاقات میں پہل کی۔ اس ملاقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے شیخ نے دعوتِ توحید پیش کی اور اپنی دعوت کے اہم حصوں پر مختصری تقریر فرمائی۔ امیر آپ کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوا کہ بے ساختہ پکار اٹھا:

”اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے، میں آپ کی امداد، اطاعت اور مخالفتیں توحید سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن میری دو شرطیں ہیں: ۱۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی، تو

آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں۔“

۲۔ اہل درعیہ سے فصل کے وقت کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں، آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔

شیخ نے جواب میں فرمایا:

”پہلی شرط بسر و چشم تسلیم ہے، ہاتھ لادو الدم بالدم والہدم بالہدم دیرا خون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی، رہی دوسری شرط اِنْ شَاءَ اللہ تمہیں لغتومات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔“

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم بیان کیا اور کتاب و سنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کا پورا پورا یقین دلایا۔ امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جو حق و جوق لوگ شیخ کی دعوت پر لبیک کہنے لگے اور بلکہ یوں

کیے کہ اپنے ایمان و اعمال کی تجدید کرنے لگے۔ شیخ نے صرف امیر محمد بن سعود اور سعودی خاندان کو دین و ایمان کی حلاوت کشا نہیں اور انہیں جہانباہی کے نہیں سمجھائے، بلکہ آپ کی دعوت سے سارے جزیرۃ العرب کی دوبارہ پھر قسمت جاگ اٹھی اور حجاز دہجد کے لوگوں میں صحیح اسلامی روح بیدار ہو گئی، بلکہ اطراف و اکناف عالم میں آپ کی دعوت اور اس کے اثرات پھیلے جواب تک پھیلے ہی جا رہے ہیں۔ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ۔ یہاں مجھے ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ہے کہ یہ حالات کی عجب ستم طرینی ہے کہ مسلمان قوم میں جو شخصیتیں جس قدر عظیم اور محسن ہیں، قوم کے بعض نام نہاد افراد نے ان کی شان میں اسی قدر گستاخانہ اور حد درجہ ناشائستہ و فحشاء کیا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام ابن تیمیہ، حضرت امام مجدد الف ثانی اور حضرت امام محمد اسماعیل شہید رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے والا ہر انسان ہماری بات کی تصدیق کرے گا۔

ان محسن، مصلح اور مجدد شخصیتوں کی طرح شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب بھی نہایت مظلوم ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا دن ہو جس میں تکفیر و تفسیل کی توپوں سے آپ پر گولہ باری نہ کی گئی ہو، سب و شتم کے تیر نہ برسائے گئے ہوں، لعن و طعن کے بم نہ چلائے گئے ہوں۔ دنیا کی کون سی گالی اور دشنام ہے جسے آپ کے خلاف استعمال نہ کیا گیا ہو اور ستم بالائے ستم کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کی طرف سے کیا گیا جنہیں کتاب و سنت کی صحیح خدمت کی کبھی توفیق نہیں ہوئی اور جن کے نازک پاؤں میں اللہ کی راہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں چبھا کیا دنیا کی تاریخ میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال

مل سکتی ہے۔ رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں ہوا ہوتا ہے

جن جن لوگوں نے شیخ الاسلام کی مخالفت کی جس جس انداز سے مخالفت کی اور جو جو اتہام لگائے اور افترا پردازیاں کیں اور پھر اہل حق کی طرف سے اس سب کچھ کے جواب میں جو کچھ پیش کیا گیا، اس کی تفصیل تو یہاں ممکن نہیں، البتہ اس کی کچھ تفصیل آپ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی کتاب محمد بن عبد الوہابؒ - ایک مظلوم اور بدنام مصلحؒ کے پانچویں باب غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

امام محمد بن عبد الوہابؒ اور آپ کی تحریک احیاء و تجدید دین کے ناقدین میں سے زمانہ حال کے ایک مصری بزرگ جناب ڈاکٹر محمد بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ”الفکر الاسلامی فی تطویر“ میں فکر اسلامی کے تدریجی ارتقاء، حرکت و جمود اور مختلف ادوار کے عروج و زوال کو ممنوع سخن بنایا ہے اور اس کتاب کی چوتھی فصل میں وہابی تحریک سے متعلق بھی بحث کی ہے، لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تمام علم و فضل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہایت کچی، سطحی اور سنی سنائی باتوں پر انحصار کرتے ہوئے اس مقدس تحریک کے خلاف خوب زور قلم صرف کیا ہے اور بے بنیاد الزام عائد کیے ہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے فاضل سعودی دوست جناب ڈاکٹر محمد خلیل ہراس کو جنہوں نے ڈاکٹر محمد بھی کے جواب میں ”الحیۃ الوہابیۃ“ کے نام سے ایک نہایت خوبصورت اور عمدہ کتاب تصنیف فرمائی اور نہایت متین اور شستہ انداز میں ڈاکٹر صاحب کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا اور ایک ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا۔

جناب ڈاکٹر محمد خلیل ہراس، ڈاکٹر محمد بھی کے شاگرد رشید ہیں اور جامعہ ازہر میں آپ سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہراس صاحب

نے اپنے استاذِ محترم کے ادب و احترام کو بھی پورا پورا ملحوظ خاطر رکھا ہے اور آپ کے سوالات و اعتراضات کا بھی اس خوبی سے جواب دیا ہے کہ حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔

کتاب کی ثقاہت اور قنات کے لیے شاید یہ عرض کر دینا کافی ہو کہ اسے اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ نے زیور طباعت سے آراستہ کرایا ہے۔ اردو قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے میں نے — دہلی تحریک — کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کے بارے میں کچھ کہنا میرا منصب نہیں۔ اس کا فیصلہ تو قارئین کرام اور اہل قلم دوست فرمائیں گے۔

بہر آئینہ اس موضوع پر قبل ازیں — طارق اکیڈمی — مولانا مسعود عالم ندویؒ کی شہرہ آفاق کتاب — محمد بن عبدالوہاب — ایک مظلوم اور بدنام مصلح — نہایت سلیقہ اور قرینہ سے زیور طباعت سے آراستہ کر چکی ہے۔ اور اب اکیڈمی کی طرف قارئین کرام کی خدمت میں یہ دوسری پیشکش ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے بھی شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو اخلاصِ عمل کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

محمد خالد سیف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

ہمارے استاد جناب ڈاکٹر محمد بھی کی ایک چھوٹی سی کتاب ”دار الفکر بیروت“ کے زیر اہتمام طبع ہوتی ہے، اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے فکر اسلامی کے مذہبی ارتقاء، حرکت و جمود اور مختلف ادوار میں اس کے عروج و زوال کو موضوع سخن بنایا ہے۔ انہوں نے اپنے اس کتابچے کی ایک فصل میں وہابی تحریک کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا تعلق اس دین و اصلاحی تحریک سے ہے جسے آٹھویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے شروع کیا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ جناب ڈاکٹر صاحب نے تحریک مہابیت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کچھ ایسے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے جو امر واقع کے خلاف ہیں اور حق سے بہت بعید بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس تحریک کے بارے میں نقد و تبصرہ کرتے ہوئے ان کا قلم بادل عدل و انصاف سے بھنک گیا ہے اور وہ جو علمی بحث کا اسلوب ہو تبلیغ اسے برقرار نہیں کر سکے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب آپ کسی امر کا بھی جائزہ لیں تو اس کی خوبیوں اور غریبوں دونوں کو زیر بحث لائیں اور کسی جانب داری کے بغیر صحیح صحیح تجویز پیش کر کے صورت حال واضح کریں، لیکن افسوس کہ وہابی تحریک پر قلم اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو اس مبارک تحریک کی ایک خوبی بھی نظر نہ آئی، بلکہ انہیں جو کچھ بھی نظر آیا وہ خرابیاں ہی خرابیاں، عیوب، ثواب اور بے حد و حساب تمہتیں ہیں جنہیں پڑھ کر لڑیں محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ مخصوص حالات و عوامل سے متاثر ہو کر یہ لکھا ہے۔

جی ہاں! جو شخص بھی اس نقد و تبصرہ کو پڑھے جیسے ڈاکٹر بھی نے وہابی تحریک کے سلسلہ میں ہمیشہ کیا ہے اور پھر اس نقد و تبصرہ کا موازنہ اس تحریک کے ذاتی مبادیات اور اعراض و مقاصد سے کرتے اور ماضی و حال میں اس تحریک نے عقیدہ و عمل کے میدان میں جو

عظیم الشان اصلاحات کی ہیں، ان پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈال لے تو وہ ڈاکٹر صاحب کے مصداق و مآخذ کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھے گا اور اُسے اس نتیجہ تک پہنچنے میں ذرہ بھر شک نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے محض ان مصداق و مآخذ پر انحصار کیا ہے جو اس تحریک کے دشمنوں نے لکھتے ہیں جناب ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ آپ جو کچھ لکھتے ہیں علمی تحقیقی انداز میں لکھتے ہیں اور پوری بحث و تمحیص کا التزام کرتے ہیں اور ہم نے اصول دین کالج جامعہ اہلہ میں اسلامی فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں جب ڈاکٹر موصوف کے سامنے زانوائے تمذہب تھے، تو ان سے یہ سیکھا کہ جو کچھ لکھو علمی و تحقیقی انداز میں پوری دیانت داری سے لکھو۔ مجھے ذاتی طور پر یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جامعہ ازہر میں ڈپلوما کے لیے میں نے "ابن تیمیہ اسلفی" کے نام سے جو مقالہ لکھا، ڈاکٹر صاحب اس کے مگران تھے، لیکن انہوں نے ڈاکٹر صاحب نے اپنے معمول اور مزاج کے خلاف اپنے اس کتابچے کی اس مذکورہ فصل میں علم و تحقیق کے بجائے محض سنی سنائی باتوں اور ناشائستہ اعتقاد و مآخذ پر انحصار کیا ہے۔ لہذا ہم اپنے استاد محترم سے اجازت چاہتے ہیں کہ آپ نے اس تحریک سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، علم و تحقیق کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔ یہ بالکل سجا کہ ڈاکٹر صاحب ہمیں بہت محبوب ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت پیوست ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ حق تو ہمیں اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ زمانہ قدیم میں ارسطو نے اپنے استاد افلاطون کے فلسفہ پر نقد و جرح کیا تھا اور اس سلسلہ میں انہوں نے کتنی خوبصورت بات کہی :

"افلاطون ہمارے دوست ہیں اور حق بھی دوست، لیکن

حق ہمارے نزدیک افلاطون کی نسبت زیادہ قابل ترجیح ہے۔"

قبل اس سے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کے نظریات پر تنقید کریں، ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تلخیص پیش کر دیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

وہابی تحریک کی بنیادیں

وہابی تحریک کی نشاۃ

جناب ڈاکٹر نے اپنی کتاب "العصر الاسلامی فی تطوّرہ" کی چوتھی اور آخری فصل میں وہابی تحریک سے متعلق بحث کی ہے اور اس سلسلے میں بحث دو پہلوؤں سے کی ہے۔ ایک تو سیاسی حالات و حوادث اور اس حکومت کے ساتھ تعلقات کے اعتبار سے جس نے اس تحریک کے ساتھ تعاون کیا تھا اور دوسرے اس پہلو سے کہ یہ ایک دینی تحریک ہے جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تحریک کے نقش قدم پر چلی۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ہم محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک کے صرف دوسرے پہلو سے اس وقت بحث کریں گے پھر انہوں نے اس تحریک کے بانی (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے پھول برساتے) کے مختصر حالات ذکر کیے ہیں اور اس ضمن میں طلب علم کے سلسلے میں ان کے بڑے بڑے اسلامی شہروں کی طرف سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے حجاز میں مکہ و مدینہ منورہ عربی کے علاقہ میں احسانہ، دجلہ و فرات کی سرزمین میں بصرہ و بغداد، سوریا میں دمشق اور ایران میں اصفہان اور قم کی طرف حصول علم کی غرض سے سفر کیے اور درس تعلیم میں بارہ برس سے زیادہ مدت صرف کی اور اس طویل علمی حلت کے باعث اسلام اور مذاہب اسلامیہ کے بارے میں مکمل معرفت اور تجربہ حاصل کر لیا۔ اور اس سلسلے میں ان کی شاق و ہی نظر آتی ہے جو قبل ازیں ان کے (روحانی، استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تھی یا ان کے بعد آنے والے اسلامی تحریکوں کے مؤسسين اور باقی حضرات کی ہے۔

اپنے شہر عینہ میں جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے اپنی دعوت کے آغاز کا عزم میم کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ کام شروع کر دیا، چنانچہ آپ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ آپ نے عینہ کو خیر باد کہہ کر ریاض کے شمالی باب درعیہ کی طرف رخت سفر باندھا۔ درعیہ کے امیر محمد بن سعود نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اپنی نصرت و حمایت کا پورا پورا یقین دلایا۔ دونوں نے اس بات پر معاہدہ کیا کہ شیخ سعودی خاندان کے علاقے میں قیام فرمائیں گے اور امیر اپنی تمام تر توانائیوں اور قوت و شوکت کے ساتھ شیخ کی دعوت کی نصرت و اعانت کریں گے۔

امیر اس معاہدے پر کاربند رہا، حتیٰ کہ ۱۷۹۲ء میں شیخ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شیخ اور امیر کی وفات کے بعد دونوں خاندانوں کے افراد نے معاہدہ کیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس عہد و پیمان کے پابند رہیں گے جو ان بزرگوں کے مابین طے پایا تھا، چنانچہ تب سے لے کر اب تک وہابی تحریک اور سعودی حکومت کے درمیان رشتہ و تعلق کی بنیادیں مضبوط و مستحکم رہی ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

”اس معاہدے کی بدولت اس تحریک کو سلطنت و حکومت اور ایمانی قوت و دونوں نصیب ہو گئیں اور یہ دونوں امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد مبارک کے بعد کبھی دوسری تحریک کو بہت کم نصیب ہوتے ہیں اور انہی کے باعث اس تحریک کا مستقبل نشاط افزا اور پُر امید ہے۔“

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس تحریک کے سیاسی پہلو پر لکھا ہے کہ جب سعودیوں کی حکومت کو وسعت نصیب ہو گئی اور جزیرۃ العرب میں انہیں مکمل طور پر اثر و نفوذ حاصل ہو گیا تو اس سے اس تحریک نے بھی بخوبی فائدہ اٹھایا اور سعودیوں کے سرزمین حجاز کے فتح کرنے کے لیے باعث اسے مکہ و مدینہ میں پھیلنے کا خوب موقع ملا اور پھر مکہ و مدینہ کی بدولت

اسے موسم حج میں یہ سہولت میسر آئی کہ اطراف و اکناف عالم سے آئے ہوئے حجاج کے سامنے اپنے بنیادی امور، اپنے افکار و نظریات اور اپنی تعلیمات کی نشر و اشاعت کر سکے۔ ————— موسم حج میں مکہ و مدینہ میں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں سے اس تحریک سے وابستہ کارکنوں کی ملاقاتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تحریک مشرق میں پاک و ہند اور انڈونیشیا تک اور مغرب میں سوڈان اور شمالی افریقہ تک پہنچ گئی۔

پھر انہوں نے جزیرۃ العرب سے باہر سعودی اٹھو نفوذ کی وسعت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب یہ جنوبی یمن میں عمان، زبید، وسط عراق اور اطراف دمشق تک پھیل گیا، تو سعودی حکومت کے اٹھو نفوذ کی اس وسعت پذیری نے آستانہ میں ترکی خلیفہ کو قلق و اضطراب میں مبتلا کر دیا؛ چنانچہ اس نے دالی مصر محمد علی پاشا کو سعودیوں کے خلاف لڑائی کرنے اور انہیں ان کے ابتدائی مرکز تک پہنچا دینے کے لیے مقرر کیا لیکن جلد ہی سعودی اٹھو نفوذ کو نجد و حجاز میں ۱۹۲۵ء میں بندر تاج پھر دی شکوت و قوت نصیب ہو گئی جو کہ ابتداء میں حاصل ہوئی تھی۔

دہابی تحریک اور دعوت توحید

پھر انہوں نے دہابی تحریک سے متعلق ایک دینی اور اصلاحی تحریک کی حیثیت سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ دہابی دعوت کی بنیادیں تین ہیں۔ اول کا تعلق اصول یعنی عقیدہ سے ہے اور یہاں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے :

”یہ توحید کی تاکید اور شرک کی نفی کی دعوت ہے، یعنی صرف

اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق قرار دینا۔“

اس تحریک کی دعوت توحید کی یہ اجمالی لیکن نہایت خوبصورت اور سچی تصویر ہے۔

توحید سے یہاں مراد توحید الہیت ہے اور اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر طرح کی

عبادت کے لیے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو مستحق قرار دیا جائے اور تمام انواع و اقسام کی عبادتوں میں صرف اسی وحدہ لا شریک کی طرف توجہ کی جائے، لہذا اس دعوت کا سب سے پہلا ہدف یہ تھا کہ شرک اور بُت پرستی کے ان تمام مظاہر کی نفی کر دی جائے جو کہ توحید کے منافی ہیں، لیکن اس وقت یہ مظاہر سارے عالم اسلام میں پھیل چکے تھے۔ مُردوں کی پرستش، اصحابِ قبور سے استعانت، قبروں والوں کے نام پر نذر و نیاز اور قربانیاں، مجروں، شجروں اور غاروں سے تبرک حاصل کرنا اور سحر، نجوم، کبانت اور مختلف قسم کی شعبدہ بازیوں پر اعتقاد رکھنا اس دور میں شرک اور بُت پرستی کی مختلف صورتیں تھیں؛ چنانچہ اس دعوت نے ان تمام خرافات کے خاتمے کا پروگرام بنایا۔ نیز ان تمام قبروں اور پتھروں کے اکھاڑ پھینکنے کا بھی فیصلہ کیا جن کے باعث لوگ فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے اور پھر اس توحید کی حقیقت لوگوں کے سامنے بیان کی جانے لگی، جسے بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں اور ساتھ ساتھ ان دیگر امور کو بھی بیان کیا جانے لگا جو توحید کے منافی تھے۔

”کتاب التوحید“ جسے اس تحریک کے بانی (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے) نے تالیف فرمایا تھا، اس دور میں اس تحریک سے وابستہ حضرات کے لیے گویا دستور کی کتاب تھی جسے یہ لوگوں کو پڑھاتے اور لوگوں کے سامنے اس کی فضول اور اس کے مسائل کی تشریح و توضیح فرماتے تھے۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبادت کے مفہوم میں تو ہر وہ معنی شامل ہے جو احترام کو ظاہر کرتا ہو خواہ الفت و محبت اور عرف و عادت کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو، یعنی اس سے ڈاکٹر صاحب کی مراد یہ ہے کہ وہابی عبادت کے مفہوم کی تحدید میں بہت دُور تک نکل گئے ہیں اور انہوں نے اس احترام و تقدیس کو بھی عبادت کے مفہوم میں سمجھ لیا

ہے جو الفت و عادت کے پیش نظر ہوتا ہے !

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست نہیں، ہم نے تو آج تک یہ نہیں سنا کہ الفت و عادت غیر اللہ کی عبادت کو مشروع اور جائز قرار دے دیتے ہوں۔ غور فرمائیے کہ جب لوگوں کو اس بات سے محبت ہے کہ وہ مردوں کی قبروں پر قبۃ بنائیں، مشکلات میں ان سے مدد مانگیں، قضائے حاجات کے لیے انہیں پکاریں، نذر و نیاز اور قربانیوں کے ساتھ ان کا تقرب ڈھونڈیں، مقبروں کے سامنے عاجزی و انکساری سے کھڑے ہوں اور ان سے وسیلہ پکڑتے اور ذلت و خواری کا اظہار کرتے ہوئے انہیں بلاتیں تو ہمارے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ سب امور توحید و عبادت کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ یہ سب الفت و محبت کا تقاضا اور عرف و عادت کے عین مطابق ہے۔

اگر ڈاکٹر صاحب کی اس منطق کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ ہر اس کام سے چشم پوشی کر لینی چاہیے جو الفت و عادت کے مطابق ہو، تو پھر انبیائے کرام کے مبعوث کیے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی، کیونکہ مختلف امتیں شرک و معاصی کی جن صورتوں میں مبتلا تھیں، وہ سب کچھ برسبیل الفت و عادت ہی تھا۔ اسی طرح مشرکین عرب جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید جن کی مذمت میں نازل ہوا اور انہیں ابد الابد تک جہنم میں رہنے کی وعید سنائی گئی۔ جس قدر بھی نذر و نیاز، قربانی، طواف اور دعا (یعنی غیر اللہ سے) وغیرہ مشرکینہ اعمال کرتے تھے۔ یہ سب کچھ الفت و عادت کے اعتبار سے تھا۔

قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے کہ جب انہیں ان شرکیہ امور سے منع کیا جاتا تو وہ فوراً کہتے،
 اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا
 عَلٰی الشِّرْكِ مَثْبُوتُونَ ۝
 ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم پر چل رہے ہیں۔
 (الزخرف - ۲۲)

وہابی تحریک اور دعوت الی اللہ

پھر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ سطح زمین پر قبروں کا بنانا اور انتظامی امور کے سلسلہ میں ان کی زیارت اور عاجزی و انکساری سے ان کے پاس کھڑے ہونا وہابی تحریک کے نزدیک یہ ایسے امور نہیں جو انسان کو شرک اور عدم توحید تک پہنچائیں بلکہ درحقیقت یہ امور ہی عین شرک ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات صحت سے عاری اور حقیقت کے منافی ہے۔ صرف وہی انسان یہ بات کہہ سکتا ہے جو شہرت پسند ہو اور خود نمائی کا طالب ہو۔ وہابی دعوت جسے درحقیقت شرک تصور کرتی ہے، وہ دراصل سطح ارض پر قبر کا بنانا اور انتظامی امور کے لیے قبر کی زیارت کو جانا نہیں، بلکہ درحقیقت شرک وہ ہے جس کا یہ لوگ ان قبوں کی زیارت کے دوران ارتکاب کرتے ہیں، یعنی قبر والے کو پکارنا اور مدد طلب کرنا، طلب حاجت اور استمداد برکات کے لیے بلانا، قبر پر نذر و نیاز چڑھانا، جانور ذبح کرنا اور جانوروں کو قبر والے کا نام لے کر ذبح کرنا وغیرہ جن کے بارے میں کوئی بھی مسلمان شک نہیں کر سکتا کہ یہ صریحاً شرک ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو قبریں بنانے، انہیں اونچا بنانے، ان پر قبے وغیرہ تعمیر کرنے اور ان کی زیارت کے لیے آنے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ شرک نہیں ہے، لیکن شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ضرور ہے، کیونکہ یہ امور ان قبروں کی تعظیم اور عبادت تک پہنچاتے ہیں، اسی وجہ سے اسلام نے انہیں حرام قرار دیا ہے اور قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز قبروں کے اونچا کرنے، پختہ کرنے، ان پر مسجدیں بنانے اور چراغ جلاسنے کی ممانعت فرمائی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے جسے اصحابِ سنن نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے،

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم
ذائرات القبور والمتخذين
عليها المساجد والسرج -
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی
زیارت کرنے والوں اور ان پر مسجدیں بنانے
والوں اور چراغ جلائے والوں پر لعنت فرمائی ہے
مسلم نے ابوالہیاج اسدی سے روایت ذکر کی ہے۔ حضرت علیؓ نے ان سے کہا،
الا بعثك على ما بعثني عليه
رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان لا تدع قبراً مشرفاً
الا سقيته ولا صرة الا
طمستها -
کیا میں تمہیں (اس مشن پر) نہ بھیجوں،
جس پر مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
بھیجا تھا اور وہ یہ کہ جس قبر کو بھی بلند دیکھو
ہموار کر دو اور جس تصویر کو بھی دیکھو
مٹا دو۔

اگر ان اسلامی تعلیمات کے مطابق دہائی تحریک ادبچنے ادبچنے قبوں کے گرانے
اور قبروں کے ہموار کرنے پر عمل پیرا نہ ہوتی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سرزمین حجاز میں
قوت و اقتدار بخشا، تو وہ یقیناً خائن ہوتی اور عملی کے بجائے محض نظری و کلامی
دعوت ہوتی!

عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمנוاقبر
پرست حضرات دہائی تحریک پر ناراض ہو رہے ہیں اور اسے تشدد پسندی کے کٹھن
دے رہے ہیں، تو دوسری طرف توحید خالص کے علمبردار حضرات اسے
ملامت کر رہے ہیں کہ عرب میں شریفین کے پاس بھی شرکیہ و بدعیہ امور کا ارتکاب ہوتا
ہے، لیکن دہائی حضرات تسامح سے کام لیتے ہیں، یہاں شرک و بدعت کا ارتکاب
ان لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے جو سرزمین حجاز میں سعودی حکومت کے پرچم توحید کے
لہرانے سے قبل صدیوں ان امور کے مرتکب رہے، لیکن دہائی دعوت میں ہمیشہ نرمی اور
حکمت و موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کا پہلو غالب رہا۔

ایک عظیم اسلامی اصول

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ دہائیوں نے اپنے اور دیگر مسلمانوں کے مابین تفرقہ کی ایک خلیج حائل کر رکھی ہے کہ اپنے آپ کو تو موحد اور اہل توحید کہتے ہیں اور اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کو جو ان کے نقش قدم پر نہیں چلتے، انہیں مبالغہ کی حد تک مشرک تصور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ انہیں نہایت تشدد پسند اور عظیم اسلامی اصول — توحید — کے سمجھنے میں کوتاہ میں لے رہے ہیں۔

دہائیوں کو تفرقہ بازی کا طعنہ دینے میں ہمیں ڈاکٹر صاحب سے شدید اختلاف ہے۔ غور فرمائیے کہ شریعت اسلامیہ نے جب یہ حکم دیا ہے کہ اونچی اونچی قبروں کو گرا کر زمین کے ہموار کر دو، تو شریعتِ مطہرہ کے اس حکم کے بجائے، توحید کی حفاظت کرنے اور اس کی مقدس چراگاہ کی طرف سے دفاع کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ دہائی تفرقہ پسند ہیں۔ یہ کیسے لازم آیا کہ انہیں تشدد پسندی کے طعنے دیے جائیں اور یہ کیسے زب دیتا ہے کہ انہیں آپ باقی مسلمانوں کے دشمن سمجھ لیں۔

کیا ڈاکٹر صاحب کو یاد نہیں کہ اصولِ فقہ کا ایک عظیم اصول اور امتدادِ سہ ذرائع ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو حرام امور کے ارتکاب تک پہنچائے، وہ بھی حرام ہے۔ اسی قاعدہ کے پیش نظر حضورِ سرورِ کائنات ﷺ نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا، کیونکہ قبروں کی تعظیم اور عبادت کا ایک ذریعہ ہیں۔

طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے ان لوگوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو سوج کے پجاری ہیں اور وہ انہی اوقات میں پرستش کرتے ہیں۔

بڑی بڑی تین مسجدوں یعنی مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ اور کسی جگہ عبادت اور نماز کی نیت سے شہرِ حال کر کے جانے کی ممانعت فرمادی گئی۔
اس بات سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم بعض لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔

آپ نے صحابہ کرام کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ آپ کی مدح و توصیف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیں؛ چنانچہ آپ کا فرمان ہے:

لا تطرونی کما اُطرت میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی
النصارى ابن مریم وانما سے کام نہ لینا جس طرح کہ عیسائیوں نے حضرت
انا عبد فقولوا عبد الله و مسیح بن مریم کے بارے میں مبالغہ آرائی سے
رسولہ۔ کام لیا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہذا تم مجھے

اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔
آپ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آپ کی قبر پر میلہ منعقد کیا جائے، اسی لیے
آپ نے فرمایا:

صلوا علی حیثما کنتم تم جہاں کہیں بھی ہو تو مجھ پر درود شریف
فان صلاتکم تہلجنی بھیجو۔ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔
آپ نے اس انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، جس نے کہا تھا:
ما شاء الله و شئت جو اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں
آپ نے فرمایا:

اجعلنی منہ ندا للہ؛ کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے؟
بل ما شاء الله وحده۔ بلکہ یہ کہو جو صرف اللہ چاہے۔
سندِ ذرائع کے پیش نظر ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹ

دینے کا حکم فرمایا تھا جس کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی تھی۔

ایک دفعہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا،
 انی اعلم انک حجر لا تنفع ولا تضر میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ نفع
 ولا تنفع ولا تضر اور نقصان تیرے اختیار میں نہیں۔ اگر
 رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
 علیہ وسلم یقبلک ما کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا تھا تو کبھی
 قبلتک - بوسہ نہ دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس وقت قیادت سے معزول کر دیا تھا، جبکہ مسلمانوں کا لشکر جبار ردیوں سے برسرِ پیکار تھا اور سب مسلمان حضرت خالد کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے کمان کے زیر قیادت مسلمانوں کو ردیوں پر مکمل فتح نصیب ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو معزول صرف اس لیے کیا کہ لوگ کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔
 تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشادات فرمائے، ان میں آپ نے مبالغہ سے کام لیا؟

یابکیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ درخت کے کٹوانے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے معزول کرنے کے باعث مبالغہ آرائی سے کام لے رہے تھے؟
 جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات و افعال موجود ہیں اور آپ کے خلفائے راشدین کے اعمال بھی تو پھر صرف وہاں ہی کو مبالغہ آرائی کا طعنہ کیوں دیا جاتا ہے؟
 اگر بغرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہاں ہی نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے

تو یہ مبالغہ قابلِ ستائش ہے۔ اس کے نتیجے میں شرک کا استیصال ہوا اور اس وقت جزیرۃ العرب سے بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا گیا، جبکہ پورے عالم اسلام میں توحید و ایمان کی بنیادیں متزلزل تھیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب! یہ مبالغہ تشدد یا فہم توحید کے بارے میں کسی تنگ نظری کے شکار ہونے کی بات نہ تھی، بلکہ بات یہ تھی کہ ایک عظیم اسلامی اصول — توحید — کی طرف سے عائد ہونے والے فرض سے عہدہ برآ ہونا مقصود تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ توحید کے بارے میں وہابیت کے تشدد کے باعث لوگوں میں تفرقہ پیدا ہوا تو یہ درست ہے، کیونکہ باطل کبھی بھی حق سے غش نہیں ہو سکتا، لیکن اس تفرقہ بازی کے سلسلے میں وہابیت کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا، کیونکہ یہ تو تمام مسلمانوں کے سامنے یہ دعوت پیش کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس دینِ حق میں داخل ہو جائیں جس کی سچی تصویر قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ نے پیش کی ہے اور جو انحراف اور ضلالت کی تمام آلائشوں سے پاک ہے۔

لہذا کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ وہابیت سے کسی قسم کی چشم پوشی یا مہانت کا مطالبہ کرے، بالخصوص توحید کے بارے میں، جو کہ دین کا اصول ہے، بلکہ توحید کے بارے میں اگر کسی مہانت یا مصلحت کی بات آئے گی، تو یہ فوراً ایک طرف ہوجائے گی، خواہ وہ مغربی طرف پوری دنیا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اس پر کسی قسم کی سودا بازی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جاہلیتِ اولیٰ اور جاہلیتِ ثانیہ

پھر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ قبروں کی زیارت اور اونچے اونچے قبضے بنانے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس سے آغاز اسلام کی وہ بت پرستی عود کر آئے گی جو اس وقت

عربوں میں عام محقق؛ لہذا اس وقت قبریں بنانے یا ان کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں شرک کے خدشے کی کوئی وجہ نہیں۔ شرک کا ارتکاب یا وقوع تو بہت دور کی بات ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ ڈاکٹر صاحب امر واقع اور حقیقت سے کس قدر تجاہل ہے کام لے رہے ہیں، گویا کہ وہ کچھ دیکھتے ہی نہیں، کچھ سنتے ہی نہیں، گویا وہ اس بیسویں صدی میں رہتے ہی نہیں جس میں دنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود مختلف قسم کی بُت پرستی میں مبتلا ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ بات ہم اس انسان سے سن رہے ہیں جو پچھلے دنوں قاہرہ اور مصر کے دیگر شہروں اور بستیوں کے اچھے اور بُرے قبوں اور مزارات کے سلسلے میں اہم عہدے پر فائز اور ستول رہ چکے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان قبوں اور مزاروں کے پاس کس طرح انواع و اقسام کے شرک اور بُت پرستی کا ارتکاب ہوتا ہے کیا ڈاکٹر صاحب زمانہ جاہلیت کے عربوں کی بُت پرستی میں سے کسی ایسی بات کی نشاندہی فرما سکتے ہیں جو اس جاہلیتِ ثانیہ کے دور میں موجود نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جب ان شرک و بت پرستی کے

اعمال سے مقصود لات و عزت اور منات و ہبل کا تقرب ہو تو یہ شرک ہے اور انہی اعمال سے مقصود جب قبروں میں مدفون بزرگوں کا تقرب ہو تو یہ توحید ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے ہمارے سامنے یہ عقدہ بھی کھل گیا جو ابھی تک لایحل چلا آ رہا تھا کہ جب آپ وزیرِ اوقاف تھے، تو انصارِ توحید ان کی طرف بڑی بیقراری سے دیکھ رہے تھے کہ وہ وقت کب آتا ہے جب ڈاکٹر صاحب ان قبروں اور مزاروں پر ہونے والی خرافات کی اصلاح کے لیے کوئی مضبوط قدم اٹھائیں یا ان مزاروں ہی کو بند کر دیں اور زیارت کی اجازت نہ دیں اور پھر ان عرسوں اور میلوں ٹیمپلوں کو

باطل اور لغو قرار دے دیں جو ان اصحاب قبور کے نام پر منعقد کیے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے ان میں سے کسی ایک کام کے سرانجام دینے کا بھی حوصلہ نہ کیا، گویا انہیں اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔

زندہ اور مُردہ خداؤں کی پرستش

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس بیسویں صدی میں جس بُت پرستی کا امکان ہے وہ پتھروں اور مُردوں کی پرستش نہیں ہے، بلکہ وہ زندہ خداؤں یعنی حکمرانوں اور بادشاہوں کی پوجا پاٹ ہے اور اس قبیل کی بُت پرستی ختم کرنے کے لیے قبروں کو گرانا اور ان کی زیارت کی ممانعت ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے خاتمے کے لیے تو حاکم و محکوم کے درمیان مساوات کا شعور پیدا کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بھی درست نہیں ہے، کیونکہ پتھروں اور مُردوں کی پرستش دنیا میں ہر جگہ ہوتی رہی ہے اور علوم و فنون میں اس قدر بے پناہ ترقی کے باوجود ابھی تک انسان تو ہم پرستی اور فاسد خیالات سے نجات نہیں پاسکا۔

ڈاکٹر صاحب جانتے ہوں گے کہ مصر کے لوگ اعلیٰ ثقافت کے باوجود دوزخ کی نسبت خرافات اور توہمات میں کچھ زیادہ ہی مبتلا ہیں اور اس بات سے انکار محسوس چیز اور امر واقعہ کا انکار ہے، جو کہ ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی انسان سے تو کجا علومِ انسانی کے شایانِ شان بھی نہیں ہے۔

رہی زندہ خداؤں یعنی حکمرانوں کی پوجا پاٹ تو بحمد اللہ وہابیت کے زیرِ سایہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ وہابیت تو بُت پرستی کی تمام انواع و اَشکال سے برسرِ پیکار ہے۔ اس کے نزدیک زندہ خداؤں کی پرستش کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دولتِ سعودیہ — جو کہ وہابی نقطہ نگاہ کی حامل ہے حقیقی طور پر

کے مطابق سوتے منزل رواں دواں ہے۔ یہاں کے باشندے حاکم و محکوم کے دریاں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے، بلکہ ہر باشندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ حاکم صرف انہی کی مصلحت کے لیے متعین کیے گئے ہیں۔ یہاں کے حکمران کا معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ وہ ہے جو ایک شفیق باپ کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے؛ چنانچہ وہ ریاض کے قسیر حکم میں ہر جمعرات کو جب بیٹھتے ہیں، تو ملک کے سب باشندے بلا تمیز و تفریق ان کے پاس سلام کے لیے، مطالبات کے لیے یا ازالہ شکایات کے لیے آسکتے ہیں۔ حکمران بھی اپنے لیے حکومت کو غلبہ و تسلط کا باعث تصور نہیں کرتے، بلکہ اسے فریضہ و مسئولیت سمجھتے ہیں۔ اس سے قبل موجودہ حکمران کے والد محترم مرحوم و مغفور جلالتہ الملک عبدالعزیز ڈیکو کرسی اور حکمرانی کی ایک بلند پایہ مثال تھے۔ ہم ریاض میں کالج میں زیر تعلیم تھے، ہر ہفتے آپ کی مجلس میں حاضری دیتے۔ آپ جب محفل میں تشریف فرما ہوتے، تو نہایت شاداں و فرحاں ہوتے، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق امور میں پوری پوری دلچسپی لیتے تھے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب وہابی تحریک کی نسبت سے زندہ خداؤں کی پرستش کے خاتمے کے لیے تیز زور دیتے ہیں، لیکن یہ بھول گئے ہیں کہ وہ خود بھی جب وزیر اوقاف تھے، بالفعل اس وثنیت کے مرتکب رہے ہیں۔ بالخصوص اپنی وزارت کے ملازمین کے ساتھ تو ان کا رویہ اس قدر ناشائستہ اور ورشت تھا کہ اس کا جتنا تصور بھی کیا جائے کم ہے۔

صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور ائمہ سلف کا مذہب

پھر ڈاکٹر صاحب نے مزید لکھا ہے کہ یہ ایک عجیب قسم کی تحریک ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں نہ تو معتزلہ کی طرح یہ رائے رکھتی ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ

عین ذاتِ الہی ہیں، غیر ذات نہیں ہیں اور نہ ہی اشاعرہ کی طرح یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ غیر ہیں اور نہ عین ہیں۔

جی ہاں! یہ تحریک معتزلی و اشعری افکار و آراء کو تسلیم نہیں کرتی، بلکہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں بیانگِ دُہل مذہبِ سلفِ صالح کے اتباع کا اعلان کرتی ہے اور یہ کوئی مخفی امر نہیں، بلکہ نہایت واضح ہے، بلکہ شاید اس وقت یہی وہ واحد اسلامی تحریک ہے جو اپنے افکار و نظریات کی بنیاد سلفِ صالح کے مذہب پر رکھتی ہے اور مقدورِ بھراس مذہب کی نشر و اشاعت اور اس کی طرف دعوت کے سلسلے میں سرگرم عمل ہے خصوصاً ان کتب و رسائل کی طباعت و اشاعت کے ذریعے جو قدیم و جدید دور میں اس مذہب کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ سعودی عرب میں تمام تعلیمی مراحل میں صرف اسی مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے بالمقابل کسی دوسرے مذہب کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اب غور فرمائیے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں کیا وزن ہے کہ یہ تحریک صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق اشاعرہ و معتزلہ کی رائے کی پابند نہیں ہے۔ کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے کہ اس تحریک نے ان دو گمراہ مذہبوں میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کی؟ بلکہ اس کے مقابلے میں سلفِ صالح یعنی حضراتِ صحابہ کرامؓ، تابعینِ عظام اور ائمہ ہدایہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے جیسا کہ اس سے قبل شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ اور آپ کے ارشد تلامذہ نے اختیار کیا تھا۔

یہ تحریک دوسروں کی طرح صفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق کسی مشکل میں مبتلا نہیں ہے اور نہ اسے مناقشہ اور جدال و نزاع کا موضوع سمجھتی ہے، بلکہ نہایت شرح صدر اور فراخ دلی کے ساتھ اس اولین اسلامی عقیدے کی علمبردار ہے جو کہ متکلمین کی پیدا کردہ ان موشگافیوں سے قبل تھا۔

یہ تحریک تخریبی نہیں، بلکہ تعمیری ہے

ڈاکٹر صاحب نے دہابی تحریک کی بنیادوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ان پر تنقید و تبصرہ تو ہم گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں اور اب ہم ان خیالات کا جائزہ لیتے ہیں جن کا ڈاکٹر صاحب نے تحریک کے بارے میں اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ فکری اعتبار سے ہم نے اس تحریک کے جن عناصر کا تذکرہ کیا ہے، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے :

اولاً، اٹھارہویں صدی عیسوی کی امام محمد بن عبدالوہابؒ کی یہ تحریک ایک معین و مخصوص مذہب یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی اساس پر استوار ہوتی تھی، چونکہ یہ اس خاص مذہب کی پیروی کا رہے، لہذا دیگر اسلامی مذاہب کے ساتھ تمسک کو درست نہیں سمجھتی۔

ڈاکٹر صاحب گویا دہابی تحریک پر ایک یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ اس نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تقلید کیوں کی اور فقہی فروع میں ایک نئے مذہب کی داغ بیل کیوں نہ ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب شاید یہ چاہتے ہیں کہ دہابی تحریک کو کسی مذہب کی اتباع نہیں کرنی چاہیے تھی، بلکہ معروف مذاہب اربعہ کے ساتھ ایک پانچویں فقہی مذہب کا اضافہ کرنا چاہیے تھا۔

یاد رہے دہابی تحریک کا مقصد فروع میں اجتہاد نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد اصولوں میں تصحیح تھا، کیونکہ فروع کا معاملہ تو آسان ہے اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس انسان کے لیے تقلید جائز ہے جو اجتہاد پر قدرت نہ رکھتا ہو اور جس کے پاس وسائل اجتہاد وافر نہ ہوں، کیونکہ ہم امت کے ہر فرد سے یہ تو مطالبہ نہیں

کر سکتے کہ وہ مجتہد ہو، لہذا ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ اس تحریک کی اساس حنبلی مذہب پر ہے، درست نہیں ہے، کیونکہ اس تحریک نے کبھی بھی حنبلی مذہب کی طرف دعوت نہیں دی بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ اس تحریک کے بانی فروع میں حنبلی تھے۔ بالفرض تحریک کے بانی مالکی یا شافعی ہوتے، تو اس سے بھی دعوت میں کوئی فرق نہ آتا، کیونکہ دعوت تو مذاہب کے ماننے والوں کے لیے عام ہے اور اس تحریک کی سب سے بڑی اہم اور بنیادی غرض دغالت عقائد کو شرک کی آلائشوں سے پاک صاف کرنا اور خرافات و بدعات کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی بات درست ہوتی، تو یہ تحریک صرف حنبلی مذہب سے وابستہ افراد کی اصلاح تک محدود ہوتی اور دیگر وابستگان مذہب کی اصلاح و ہدایت کے لیے جہد و جہد نہ کرتی۔

مذہبی جھگڑا اس تحریک کا کام نہیں

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ تحریک سلف صالح کے مذہب کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے، تو اس سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ فقہ میں محض قرآن مجید اور حدیث صحیح کے نصوص کا التزام کیا جائے اور تشریع کے اس دائرہ میں یہ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ یہ لوگوں کو قیاس اور عرف عام سے دُور کر دیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یہاں دو متناقض باتیں کہی ہیں، پہلے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ تحریک حنبلی مذہب کی پیروی کا رہے اور اب یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تحریک مذہب سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے، قرآن مجید اور حدیث صحیح کے نصوص کا التزام کرتی ہے اور دائرۃ تشریع میں قیاس اور عرف سے دُور رہتی ہے۔ اس کے بعد خود ہی انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ تحریک مذہب سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے

اور مذہبی میدان میں لڑائی جھگڑاتی رہتی ہے۔ مذہب سلف کی طرف رجوع کی بات تو درست لیکن لڑائی جھگڑے والی بات کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ڈاکٹر صاحب کی یہ ساری بات ہی غلط ہے، معتدلات بھی غلط ہیں اور نتائج بھی صحیح نہیں، اس تحریک نے عقائد میں جن کی حیثیت اصول کی ہے۔ مذہب سلف کی طرف رجوع کی دعوت دی، کیونکہ سلف عقائد میں خوارج، شیعہ، قدریہ، مرجئہ، جہمیہ اور دیگر گمراہ کن فرقوں کے برخلاف ایک ہی رستے پر متفق تھے۔

فروع میں سلف کسی ایک خاص مذہب کے پابند نہ تھے، لہذا اس تحریک کے اس کی طرف رجوع کی دعوت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
ڈاکٹر صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ تحریک قیاس اور عرف کو صحیح نہیں سمجھتی، تو یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے، بلکہ یہ تو اہل ظاہر کا مذہب ہے۔ اس تحریک کو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس رستے سے اتفاق ہے کہ نص کو قیاس سے مقدم سمجھا جائے گا، خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں بھی کوئی صداقت نہیں ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے ہی رہتے ہیں۔

لڑائی جھگڑا اس تحریک کا کام نہیں ہے اور نہ اسے کوئی ہدف قرار دیا گیا ہے، بلکہ یہ تحریک تو اختلافی مسائل میں مذہبی تعصب سے بہت دور ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر اتنا عرض کرنا ہی کافی ہوگا کہ اس وقت شریعت کا لچ مکہ مکرمہ میں فقہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فقہ حنبلی کے ساتھ ساتھ دیگر تمام فقہی مذاہب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس حقیقت میں بھی کوئی شک نہیں کہ مختلف آراء کے قبول کرنے کے سلسلے میں جس قدر حنبلی مذہب میں وسعت قلبی ہے، کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے، کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا فقہی مسئلہ ہوگا جس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو یا تین روایتیں منقول نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے علماء کے سامنے اختیار

اور ترجیح کی اس قدر آزادی ہے کہ یہ آزادی کبھی منجلی مذہب ہی سے دُور لے جاتی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید امام ابن قیمؒ کے وہ اختیارات معروف ہیں، جن میں وہ جمہور حنابلہ سے منفرد ہیں۔

اسی طرح ”الغنی“ کے مصنف علامہ ابن قدامہؒ نے اپنی اس عظیم الشان کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایک ایک مسئلہ ذکر کرتے ہوئے تمام مذاہب اور ان کے دلائل بھی ذکر فرماتے گئے اور صرف اس مذہب کو ترجیح دیں گے جس کے دلائل قوی تر ہوں گے، خواہ وہ منجلی مذہب نہ ہو تو فرمائیے وہابی تحریک میں کہاں ہے؟ مذہبی لڑائی جھگڑا کہاں ہیں؟ اس لڑائی جھگڑے کے آثار و مظاہر؟

وہابیت اور اسلامی میراث

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک نے اپنے آغاز میں اس بات کا التزام نہ کیا کہ علمی انداز میں فقہی مذاہب اور تشریع و معاملات میں مسائل اور مذاہب عقیدہ کے ذاتِ باری تعالیٰ کے تصور اور اعتقاد کے بارے میں ان سب کی نفی کر کے کوئی نئی راہ اختیار کی جاتی۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ڈاکٹر صاحب کے اس کلام کا معنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہابی تحریک نے ان تمام فقہی مذاہب کا خاتمہ کیوں نہ کر دیا جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ مکمل مذہبی عصبيت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک کو صرف صالح عنصر کے سوا باقی سب کچھ لغو قرار دے دینا چاہیے تھا۔

تجرب ہے کہ یہ خطرناک بات ہم ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی انسان سے سُنی ہے ہیں جو کہ راستے کی آزادی پر ایمان رکھتے ہیں اور اجتہاد کے دروازے کو کھلا رکھنے کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ اجتہاد کے دروازہ کو بند کرنا جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب

میں ذکر کیا ہے۔ جمود، تعطیل اور زندگی میں پیش آمدہ نئے نئے مسائل سے عہدہ برآئے ہو سکنے کے مترادف ہے۔

خدا نخواستہ اگر دہائی تحریک اس قسم کی حمایت کو پیش نظر رکھتی، تو وہ اپنی تاریخ کی ایک عظیم غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتی اور عصر حاضر کے تمام عالم اسلام کی ناراضی کو مول لے لیتی۔

ڈاکٹر صاحب بلاوجہ دہائی تحریک پر مذہبی تعصب کا الزام لگاتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ یہ تحریک فی الواقع اس قسم کے تخریبی پروگرام کو پیش نظر رکھتی تو نہ معلوم ڈاکٹر صاحب کن کن القاب سے نوازتے، کیونکہ ان فقہی مذاہب سے وابستہ بڑے بڑے ائمہ کرام ہیں جنہوں نے اپنی عمر میں اجتہاد میں صرف کردیں اور پھر ان مذاہب کے تعلیل و استنباط اور موازنہ کے بارے میں باقاعدہ قواعد و ضوابط ہیں فقہ اسلامی جو کہ اپنے دامن میں عظیم الشان تشریعی دولت سموئے ہوئے ہے اور جسے پیش آمدہ نئے نئے مسائل اور زندگی کے تقاضوں اور مطالبات سے عہدہ برآ ہونے پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ اس امت کا انتہائی قابل فخر کارنامہ ہے، تو وہ تحریک جو کہ تعمیر کے لیے شروع ہوئی نہ کہ تخریب کے لیے۔ اس سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ قصورِ نعم اور کوتاہی نظر کا ثبوت دیتے ہوئے اس عظیم الشان ملی سرملہ کو ناشائستہ اعتماد قرار دے؟

اگر خدا نخواستہ تحریک کے سامنے ایسا کوئی پروگرام ہوتا، تو کیا ڈاکٹر صاحب اس سے اتفاق فرماتے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ وہ تو اپنی کتاب میں فقہی تحریک اور اس کے تدریجی ارتقاء کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اور مکاتب فکر کی کثرت اس بات پر دلالت کناں ہے کہ اسلام پیش آمدہ نئے نئے مسائل و حوادث کے حل کے لیے پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

عقائد کے بارے میں خصوصاً اللہ عزوجل کی ذات اقدس کے متعلق تصور اور پھر اس کے مطابق اعتقاد رکھنے کے اعتبار سے تو بلا شک و شبہ اس تحریک نے وہی دعوت پیش کی جو کہ آغاز اسلام کے وقت پیش کی گئی تھی، چنانچہ اس تحریک کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا، بلکہ کہانیوں چاہیے کہ لوگوں نے اولین صحیح عقائد کو اپنالیا اور ان تمام غلط قسم کے عقائد کے خلاف اعلان جنگ کیا جو کہ مختلف طرز فکر رکھنے والوں نے بعد میں پیدا کیے ہیں۔ اس اعتبار سے تحریک شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جاری کردہ اس عظیم الشان تحریک کا متمم ثابت ہوئی، جو آپ نے عقائد کی تصحیح اور اصلاح کے لیے شروع فرمائی تھی۔

تقلید نہیں، بلکہ اتباع حق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ وہابی تحریک بھی تقلید پر مبنی ہے۔ یہ مذاہب اسلامیہ پر نقد و نظر، عقیدہ، تشریع، معاملات اور فقہ عبادات کے سلسلہ میں مستقل تجدیدی بنیادوں پر استوار نہیں ہے، بلکہ یہ شیخ تقی الدین بن تیمیہ کی تحریک کی تقلید ہے۔

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب اس تحریک کے تبعیت اور عدم ابتکار و تجدید پر کیوں برس رہے ہیں؟ حالانکہ تقلید مطلقاً کوئی بڑی چیز ہے اور نہ ہی تجدید مطلقاً کوئی قابل ستائش چیز ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس بات کے بھی مشتاق نظر آتے ہیں کہ تحریک کی زیادہ سے زیادہ خطائیں شمار کر ائیں، خواہ ایک بات کو مختلف انداز میں ہی کیوں نہ ذکر کریں؛ چنانچہ انہوں نے نمبر اسے نمبر تک جو بیان کیا ہے، وہ ایک ہی بات ہے جسے الفاظ کے اُلٹ پھیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا، اس تحریک کا مقصد کسی نئے فقہی مذہب کی ذرا بغیل ڈالنا نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد توحیدِ خالص یعنی شرک کی آلائشوں سے پاک اور منترہ توحید

کی دعوت اور عقائد کے سلسلے میں سلف صالح کے مذہب کا احیاء تھا اور اگر اس ضمن میں تحریک نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام سے استفادہ کیا ہے تو اسے تقلید نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ توحق کی حق سے موافقت ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ ڈاکٹر صاحب اگر کسی مغربی فلسفی کے افکار و نظریات کا مطالعہ کریں اور وہ انہیں بہت اچھے معلوم ہوں۔ نیز غور و فکر کے بعد یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ نظریات صحیح ہیں، تو کیا اس صورت میں یہ جائز ہو گا کہ ہم کہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے فلاں مغربی فیلسوف کی تقلید کی ہے؟ تقلید کے معنی تو یہ ہیں کہ پہلے لوگوں کے افکار و آراء کو ان کے دلائل و براہین پر نظر کیے بغیر اپنایا جائے اور اگر دلائل کا جائزہ لے کر اور ان کی صحت پر وثوق حاصل کرنے کے بعد انہیں اختیار کیا جائے، تو یہ تقلید نہیں۔ اگر بغرض محال اسے تقلید سے تعبیر کر بھی لیا جائے، تو پھر بھی تحریک کے لیے یہ کوئی عیب کی بات نہیں کہ اس نے حق کی تقلید کی ہے اور راہ حق میں اپنے پیشروں کے نقش قدم کو اختیار کیا ہے۔ بلاشبک و شبہ اس تحریک نے گمراہ فرقوں یعنی معتزلہ، جہمیہ، اشعریہ اور مرجئیہ وغیرہ کے رد و ابطال کے سلسلے میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا موقف تھا، اسی طرح ایجابی اعتبار سے یعنی مذہب سلف کے احیاء کی دعوت، مذہب سلف کا ہیسان اور اس مذہب کے دلائل و براہین کے تذکرہ کے لیے بھی شیخ الاسلام ہی کے موقف کو اختیار کیا گیا ہے۔

کاش! ڈاکٹر صاحب وہ سب کچھ پڑھ لیتے جو اس تحریک کے بانی اور ان کے بعد آنے والے علماء کرام نے لکھا ہے تو جمود اور سلطنت کے یہ طعنے نہ دیتے، بلکہ ان کا نظریہ کچھ اور ہوتا اور تحریک کے بارے میں اس قدر ورشی و سختی کا مظاہرہ نہ فرماتے۔

اس تحریک کا قابل فخر کارنامہ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے افکار و آراء کی حفاظت کی اور چار سو سال بعد اٹھارہویں صدی عیسوی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک نے ان افکار و نظریات کو جس قدر اہمیت دی کبھی نہیں دی گئی تھی!

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بلنی برعدل والصاف ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دہائی تحریک نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے افکار و آراء کی حفاظت کی ہے، انہیں اہمیت دی ہے اور ان کے احیاء اور نشر و اشاعت کے لیے قابل ستافش مساعی جمیلہ انجام دی ہیں اور بلا شک و شبہ یہ اس تحریک کا قابل صد فخر کارنامہ ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ شیخ الاسلام کے کتب و رسائل گوشتہ گمنامی میں طاق نسیاں کی زینت بنے ہوئے تھے۔ محدود اور بدعتیوں نے ان کے خلاف فضا کو بہت مکدر کر دیا تھا۔ ان کے پڑھنے پڑھانے سے لوگوں کو ڈراتے تھے، بلکہ یہاں تک کہہ رہے تھے کہ کتب فلاسفہ کی طرح ان سے استنباط کرنا بھی جائز ہے۔

الغرض جب مہارک تحریک سرگرم عمل ہوتی تو اس نے لوگوں کو علم کے ان بیض ہا اور گراں قیمت موتیوں سے روشناس کرایا اور عظیم الشان ثروت سے پردہ اٹھایا جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے قلمذ کشید امام ابن قیمؒ جو زیہ رحمہما اللہ چھوڑ گئے تھے۔ اس تحریک سے وابستہ لوگوں نے علم کے ان مخفی خزانوں کو زور و طاقت سے آراستہ کرا کے ظاہر کر دیا۔ اس سلسلہ میں جلالتہ الملک عبدالعزیزؒ کہ اجزن مؤتینا بطور خاص قابل ذکر ہیں کہ ان کے اہتمام و عنایت کے باعث ان عظیم المرتبت شیخین کی کتب اس قدر کثرت سے طبع ہوئیں کہ عوام و خواص کی لائبریریاں بھر گئیں۔ سلفی عقائد جو کہ صرف علم کلام کی کتب کے صفحات پر اور وہ بھی برائے نام ملتے تھے اور انہیں مٹویہ یا عوام کے عقائد سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اب ان دو اماموں کی کتب

کی اشاعت اور ان کے مطالعہ و قرأت کے باعث صحیح طور پر نمایاں ہوئے اور انہیں وہ اہمیت حاصل ہوئی جو ان کی شان کے لائق تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دہلے گزر گئے، لیکن ان دو ناموں جیسا اور کوئی پیدا نہیں ہوا جسے ان کی طرح معقول و منقول پر دسترس حاصل ہو۔ ان کی کتب مینارۃ نور میں جو ہر اس انسان کے سامنے صحیح فکر اور خواہش و تقلید سے اجتناب کی راہ متور کر دیتی ہیں جو ان سے کسب طُور کرے۔

اب بحمد اللہ اطراف و اکنانِ عالم خصوصاً علمی محافل و مجالس میں ان دونوں بزرگوں کی آرا کو نہایت وقعت و اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔

تحریک تجدید و احیائے دین

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک نے ابن تیمیہ کی آرا کے لیے ایک پُل کا کام دیا جس سے گورکریہ آراء و افکار نژاد لوگوں کے پاس پہنچے۔ نیز یہ تحریک سعودی حکومت کے لیے دست و بازو اور بقاء و استمرار کے لیے باعثِ تقویت ثابت ہوئی۔ ہم ڈاکٹر صاحب سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ یہ تحریک محض پُل تھی جس سے گورکریہ ابن تیمیہ کے افکار و نظریات آنے والی نسلوں کے پاس پہنچے، بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے آراء و افکار نظری اعتبار سے اس تحریک کا اساسی جز ہیں، کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز ممکن نہیں اور ایک دوسرے سے الگ قرار دیا ہی نہیں جاسکتا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تحریک سعودی حکومت کے لیے دست و بازو اور بقاء و استمرار کے لیے باعثِ تقویت ثابت ہوئی، بالکل درست ہے اور شک و شبہ سے بالاتر۔ سعودی حکمران خاندان نے بھی اس عہد و پیمان کو سچ ثابت کر دکھایا جو انہوں نے اس تحریک کے بانی سے کیا تھا، یعنی یہ کہ ان کی حمایت کریں گے اور ان کے دشمنوں کو مغلطہ قبرستانوں اور صوفیوں کے خلاف ان کی طرف سے دفاع کریں گے۔ سعودی حکمران خاندان

کی نصرت و اعانت بجا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تحریک کی ذاتی قوت، آل شیخ کی مساعی جمیلہ اور تحریک سے وابستہ علماء کرام کی قربانیاں بھی تحریک کی کامیابی کے لیے بہت مؤثر ثابت ہوئیں۔

پھر ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ کے بعد وہابی تحریک ہی وہ اسلامی تحریک ہے جس نے عموماً نقد و تبصرہ کے انداز کو اپنایا اور اسی انداز کو انیسویں اور بیسویں صدی میں جنم لینے والی دیگر اسلامی تحریک تک پہنچایا۔ یہ تحریک گویا دیگر اسلامی تحریکوں کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوئی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس تحریک کو اس عہد پر آئندہ میں اولیت کا اعزاز حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اس کلام سے بھی تحریک کے لیے عدل و انصاف ظاہر ہو رہا ہے اور تحریک نے مسلم معاشرے کی بیداری و اسلامی عقائد کی تصحیح اور اور ملاوٹوں کی آمیزش سے تنزیہ کا جو بیڑہ اٹھایا نیز اسی مقصد کی خاطر ابھی تک سرگرم عمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی ستائش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیز آپ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس نے تجدید و احیائے دین کے میدان میں نمایاں خدمات سر انجام دی ہیں۔

البتہ آپ کی اس بات سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے کہ یہ فقط ایسی تحریک تھی جس نے محض تنقید و تبصرہ کی راہ کو اختیار کیا اور سابقہ تحریکوں کے افکار و نظریات کو آگے نہ بڑھایا، گویا آپ کے خیال میں یہ تحریک صرف ناقل تھی جس نے متقدمین کے نظریات کو متاخرین کے پاس پہنچانے کا فریضہ انجام دیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تجدید و احیائے دین کے سلسلے میں یہ ایک مستقل تحریک ہے۔ تنقید و تبصرہ کا پہلو تو اس لیے نمایاں نظر آتا ہے کہ اس تحریک کے مخالفین کی تعداد بکثرت رہی ہے، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دقیق نظر اور عمق کے اعتبار سے اس تحریک کی تنقید کا درجہ وہ نہیں ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ

کا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس دور میں اس تحریک نے نشوونما پائی۔ اس دور میں تنقیدی تعلیم و تدریس اور اسلوب مناظرات کا رواج کم تھا۔

دو غلطیاں

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ایک مشہور بات ہے کہ ابن تیمیہ شیعہ حضرات کے غالی فرقہ جنہیں وہ رافضیہ کہتے ہیں، کی تردید میں بہت سرگرم تھے۔ نیز وہ باطنیوں اور تعلیمیوں کو بھی بطور خاص اپنی تنقید کا ہدف بنایا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب دہابی تحریک ابن تیمیہ کے علوم و معارف کی تلاش بننا اس نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں شیعہ عقائد و افکار کی تصویر کشی میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین اختلافات کو بہت بھڑکا دیا۔ یہ اس تحریک کا گویا منفی پہلو تھا۔

ایک ہی سانس میں ڈاکٹر صاحب نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک غلطی تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی نسبت سے اور دوسری غلطی دہابی تحریک کے اعتبار سے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں تو انہوں نے یہ غلط بیانی کی ہے کہ آپ شیعہوں کے غالی فرقوں بالخصوص روافض، باطنیوں اور تعلیمیوں ہی کی تردید کیا کرتے تھے۔ یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ شیخ الاسلام تو شیعہ کے سبھی فرقوں کی تردید میں یکساں سرگرم تھے، خواہ وہ غالی ہوں یا اعتدال پسند۔ آپ ان سب کو حق کے عادی و منزل سے منحرف اور مومنوں کی راہ سے الگ راہ پر پلنے والے سمجھتے تھے، کیونکہ سب شیعہ مبادیات میں مشترک ہیں اور ان کے مبادیات روح اسلام سے کوسوں دور ہیں، مثلاً رجوع، تقیہ، عصمتِ ائمہ اور سب و شتم صحابہ کرام وغیرہ دہابی تحریک کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کہ اس نے اہل سنت و اہل تشیع کے مابین اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا اور غالی و معتدل کے مابین تفریق

کیے بغیر سب کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے۔

دوبائی تحریک کا شیعہ کے بارے میں یہی موقف ہے جو سب اہل سنت کا ہے، البتہ تحریک نے ان غالی شیعوں کے بارے میں ضرور سخت موقف اختیار کیا ہے جنہوں نے اہل بیت کے بارے میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہیں دائرۂ بشریت ہی سے نکال دیا ہے۔

دوبائی تحریک شیعوں کے ساتھ اس قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی جس طرح کہ مصر کی جماعت "التقرب" نے شیعوں کے ساتھ کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی شاید اس کے رکن تھے۔ اختلاف چونکہ مبادیات، اساسیات اور بنیادی اصولوں میں ہے، لہذا سمجھوتے کا کوئی حوزہ نہیں!

درج ذیل امور بھی ڈاکٹر صاحب کی اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ دوبائی تحریک نے شیعہ کی تردید میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے۔

سعودی عرب کے کئی شہروں مثلاً احساء اور قطیف وغیرہ کے باشندوں کی اکثریت شیعہ ہے اور وہ جلالتہ الملک فیصل حفظہ اللہ کی حکومت سے تعلیم، صحت، زراعت اور مواصلات کے سلسلے میں اسی طرح مراعات حاصل کر رہے ہیں جس طرح دیگر ملکی باشندے۔ سعودی حکومت کے ان تمام ممالک کے ساتھ بھی نہایت خوش گوار اور بردارانہ تعلقات ہیں جن میں شیعہ کو اعلیت حاصل ہے، مثلاً ایران، پاکستان، لبنان۔

لے جلالتہ الملک فیصل اعظم ۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو شہید کر دیے گئے اور اب آپ کے برادر عزیز شہزادہ فہد بن عبد العزیز حفظہ اللہ تعالیٰ سعودی عرب کے فرماں روا ہیں۔ (مترجم)

لے پاکستان کے بارے میں فاضل مفتی سے سہو ہوا ہے، کیونکہ یہاں تو اہل سب کے ہر فرقے کے مقابلے میں شیعہ حضرات کی تعداد کم ہے۔ (مترجم)

کثیر تعداد میں شیعہ ہر سال بیت اللہ شریف کا حج کرتے ہیں اور یہاں کی انتظامیہ کی طرف سے وہ بالکل اسی طرح کی سب سہولتیں حاصل کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجاج کرام!

محض سنی سنائی باتیں

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”اس کے ساتھ ساتھ تحریک کا ایک اور منفی پہلو بھی ہے اور وہ ہے قبور اور ان کی زیارت کے مسئلہ کا پہلو۔ اس تحریک کا قبروں کی طرف شدتِ حال کی حرمت میں تشدد، حقیقت تحریک سے وابستہ حکمرانوں کی سیاسی اغراض کے پیش نظر تھا۔ انہی اغراض کے پیش نظر انہوں نے قبروں کو گرگرایا، مردوں کی حرمت کو پامال کیا اور بعض صحابہ کرام — دعوتِ اسلامی کے بارے میں جن کے اثر و نفوذ کا انکار ہی نہیں کیا جاسکتا کی قبروں کی بے پناہ بے حرمتی کی گئی۔“

ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے یہ بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان جیسا فلسفی آدمی بھی محض سنی سنائی باتوں سے متاثر ہو کر تحقیق کیے بغیر یہ سب کچھ لکھ رہا ہے، درنہ تحریک کو شدتِ حال کی حرمت میں تشدد کے طعنے دینے کے کیا معنی؟ جبکہ ڈاکٹر صاحب بھی اعتراف کرتے ہیں کہ صحیح عقیدہ یہی ہے کہ شدتِ حال کر کے نہیں جانا چاہیے۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ تحریک توحید کے سلسلے کی مبادیات ہی میں خیانت سے کام لیتی اور بیوقوف لوگوں کے خیالات و جذبات کا پاس کرتے ہوئے ان سب بدعات پر خاموش رہتی جن کا ارتکاب ان بڑے بڑے مزاروں اور قبول پر ہوتا ہے۔ نیز وہ استغناء اور توسل کے لیے ان قبروں اور قبول کی طرف

شہرِ حال کی اجازت دے دیجی، حالانکہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ صریح ارشادِ گرامی موجود ہے:

لا تشد الرحال الا الى
ثلاثة مساجد، مسجدی
هذا والمسجد المحرام
والمسجد الاقصی۔

شہرِ حال تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی
طرف نہ کیا جائے۔ ایک تو میری یہ مسجد اور
مسجد حرام (بیت اللہ شریف)، اور تیسری
مسجد اقصی۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

تحریک سے وابستہ حکمرانوں نے تو صرف انہی احکام کو نافذ کیا جن کے نفاذ کی
طرف علماء کرام نے راہنمائی کی تھی۔ قبروں کو جو گرایا اور قبوں کو ڈھایا گیا تو یہ مومنوں کی
بے حرمتی کے لیے نہیں، بلکہ احکامِ شریعت کے نفاذ کے پیش نظر تھا۔

بحمد اللہ دہابی سیاست دان اور علماء ان فوجِ شدگان کی قدر و منزلت سے بخوبی
آگاہ ہیں اور قبروں پر ان رونے دھونے والوں کی نسبت ان کا زیادہ احترام کرنے والے ہیں۔
قبروں کے سطح زمین کے برابر کر دینے سے مردوں کی بے حرمتی کا نتیجہ نکال کر ڈاکٹر صاحب
نے بزمِ خودِ تحریک کی ایک ایسی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے تحریک کا
رُخ زیبا لغت انگیز معلوم ہو، ورنہ پچاس سال پہلے کے ان واقعات کو ذکر کرنے کی
آب کیا ضرورت تھی؟

اصلاحی تحریک یا علمی اکیڈمی

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں،

دہابی تحریک کو یہ چاہیے تھا کہ وہ ایک طرف تو مختلف اسلامی جماعتوں
فروق اور مذاہب کے آراء و افکار کو دیکھتی اور دوسری طرف تہذیبِ عصر حاضر

اور فکرِ جدید کی طرف توجہ کرتی اور پھر ان کے مابین تقابل و تجزیہ کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں ایک متفق علیہ خالص علمی و فکری تحریک پیدا کرتی تاکہ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا اور وہ مختلف گروہوں و جماعتوں میں تقسیم نہ ہوتے، دوسری طرف اس سے منفی رجحانات کے برعکس اسلامی فکر ابھر رہا تھا اور اس سے تیسرا فائدہ یہ ہوتا کہ جدیدۃ العرب میں ایک ایسی اجتماعی تحریک جنم لے لیتی جس کی بنیادیں اسلام پر استوار ہوتیں۔

مجھے تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک اصلاحی و دینی تحریک سے جس کے اغراض و مقاصد نہایت محدود تھے۔ ایسے امور سرانجام دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کے انجام دینے سے ایک خالص علمی قسم کی عظیم الشان اکیڈمی بھی قاصر ہے۔ دیکھئے ڈاکٹر صاحب صرف یہ نہیں چاہتے کہ منتخب و محدود اسلامی آراء کا تجزیہ کیا جائے، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ سب کے سب آراء و افکار اسلامی کو میزان پر تول جائے۔ اسی طرح ان کا یہ مطالبہ بھی نہیں کہ کسی ایک مذہب کا تجزیہ کیا جائے، بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ تمام اسلامی مذاہب کا تقابل و تجزیہ ہونا چاہیے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب اس عظیم الشان کام کے سرانجام دینے کے لیے تنہا و بانی تحریک کو کیوں مکلف قرار دے رہے ہیں اور آپ اپنے ان خیالات کی عنانِ توجہ ازہر کی طرف کیوں مبذول نہیں فرماتے۔ جامعہ ازہر کے تو آپ سیکرٹری بھی رہے ہیں اور جامعہ میں تحریکِ نشاۃِ مجددیہ کے سرگرم کارکن بھی۔

باقی رہا دہابی تحریک کے حوالے سے علمی و تحقیقی کام تو ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ اس تحریک کے زیر اثر سعودی عرب میں ربعِ مہدی سے زیادہ عرصہ سے ایک خالص علمی تحریک برپا ہے۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی یہاں مدیرِ بحث رہ چکے ہیں اور اس ادارے کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ یہاں کے کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے لیے قابلِ ستقابل تر اساتذہ کرام فراہم کرے، چنانچہ ان اساتذہ کرام سے کثیر تعداد میں طلبہ اپنی تعلیم کی تکمیل

کر چکے ہیں۔

اس وقت سعودی عرب میں تین بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔ ہر یونیورسٹی سے کئی بڑے بڑے کالج منسلک ہیں۔ ”شریعت کالج مکہ مکرمہ“ جو کہ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی سے منسلک ہیں اعلیٰ تعلیم کی درج ذیل تین فیکلٹیز (FACULTY) کام کر رہی ہیں:

۱۔ عقیدہ کی فیکلٹی

اس فیکلٹی میں عقیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تمام کلامی فرقوں، ادیان و مذاہب اور عصر حاضر کی تحریکوں سے روشناس کرایا جاتا ہے اور کلامی و فلسفی مذاہب کا تقابل و تجزیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اسلوب و انداز سے کرایا جاتا ہے۔

۲۔ فقہ و اصول فقہ کی فیکلٹی

اس میں جزئیات و فروعات کے ساتھ تمام فقہ معاصر کی تعلیم دی جاتی ہے اور کسی ایک معین مذہب کے لیے پابندی کو لازمی قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ جس مذہب کی صحیح دلیل اور حجت قوی ہے اسے اپنالو۔

۳۔ کتاب و سنت فیکلٹی

اس میں نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ کتاب و سنت کے صحیح علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ان تینوں اداروں سے بے شمار طلبہ نے تعلیم حاصل کر کے ایم۔ اے کی ڈگریاں لی ہیں اور آئندہ برس سے ڈاکٹریٹ کے لیے لائحہ عمل تیار کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح عربی لغت و ادب کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بھی ایک مستقل شعبہ کام کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ بحمد اللہ سعودی عرب میں علمی تحریک بھی سرگرم عمل ہے جس کے بہت سے اچھے ثمرات و اثرات مرتب ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے!

وہابی تحریک اور فکرِ جدید

جب صورتِ حال یہ ہے کہ جس کی طرف سطور مذکورہ بالا میں اشارہ کیا گیا تو پھر خود ہی اندازہ فرمائیے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ تحریک کو تہذیبِ عصر حاضر اور فکرِ جدید کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے تھی۔ ایک دینی و اصلاحی تحریک تہذیبِ عصر حاضر سے کیا استفادہ کر سکتی ہے؟ کیونکہ یہ تہذیب تو ہر جگہ مشرق ہو یا مغرب خالص مادی بنیادوں پر استوار ہے۔ اسی طرح یہ تحریک فکرِ جدید سے کیا استفادہ کر سکتی ہے؟ کیونکہ اس الحادی فکر کی بنیاد تو ڈارون، سبنر، شاخت اور سارٹر کے نظریات پر ہے۔ تو جب صورتِ حال یہ ہے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اس تہذیب اور اس فکر کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ ان کا سراسر انکار کر دیا جائے، انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جائے ان میں مخفی زہرِ ناکوں کو اجاگر کیا جائے اور مسلمانوں کو ڈرایا جائے کہ وہ ان کی بھڑائی چمک دمک کے فریب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی آدمی کے دل میں یہ خیال کیسے آگیا ہے کہ اس نے وہابی مبلغین کو بڑے بڑے فلسفیوں کی جماعت سمجھ لیا ہے کہ وہ ان سے صرف یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ تمام اسلامی مذاہب کے آراء و افکار کا جائزہ لیں، بلکہ یہ تقاضا بھی کر رہے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں تمام مغربی فلسفوں کا بھی تجزیہ کریں!

یہ فلسفے اور یہ جدید افکار جن کی طرف ڈاکٹر صاحب تحریک کی توجہ مبذول کر رہے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں کہ وہابی تحریک یا کوئی بھی اسلامی تحریک اس سے کسی قسم کا فکری استفادہ کر سکے، کیونکہ اسلام فکری و نظری اعتبار سے ان

تمام فلسفہ ہائے حیات سے بے نیاز ہے اور فکری استفادہ کے لیے اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ اگر اپنے افکار کو درست کرنا چاہیں تو یہ محتاج ہیں کہ اسلام سے کسب فیض کریں۔

البتہ انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی میں ان سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میدان میں بلاشبہ وہ ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔ کسی بھی علمی و اسلامی تحریک کی بنیاد فلاسفہ مغرب کے مذاہب و افکار پر نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ یہ مذاہب و افکار تو خالصتہً لادینیت پر استوار ہیں۔ اسلام کا ان سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔

سعودی عرب میں علمی تحریک

اس کے باوجود سعودی عرب کی علمی تحریک اس تہذیبِ نو اور فکرِ جدید سے استفادہ کرنے سے غافل نہیں ہے۔ سعودی عرب نے اپنے بے شمار طالب علموں کو امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجا ہے تاکہ وہ وہاں مختلف علوم و فنون میں تخصص (SPECIALISATION) کر سکیں، چنانچہ ان میں سے بہت سے حضرات وہاں سے اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد اب یہاں کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا پھر وہ اس میدان میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں، جس کے وہ متخصص (SPECIALIST) ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ تحریک مختلف وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلامی معاشرے کی بیداری کے لیے سرگرم عمل ہے اور اسلامی معاشرے کو اجنبی افکار و نظریات اور ان کے سموم و انحرافات سے بچانے کے لیے بھی ماعی جمیلہ انجام دے رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا تھا کہ اس سے جزیرۃ العرب میں ایک ایسی اجتماعی تحریک جنم لے لیتی الخ

اس بات کی تردید کے لیے اتنا کہ دینا ہی کافی ہے کہ آپ حقیقت حال کا جائزہ اور امر واقع کا مشاہدہ فرمایا لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جزیرۃ العرب اس تحریک کی بدولت زمانے کے تقاضوں سے بخوبی عہدہ برآور رہا ہے۔

جس شخص نے سعودی عرب کو بیس سال پہلے دیکھا ہوا اور اب پھر یہاں آکر دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ سعودی عرب نے گزشتہ بیس سالوں میں علم و ادب، ابلاغ و اعلام اور صحت و اجتماعیت کے میدانوں میں بے پناہ ترقی کی ہے اور وہ دیکھے گا کہ اس ترقی کے باعث سعودی نژاد نو تعمیر ترقی اور سر بلندی کے لیے نہایت سرعت کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

مختصر یہ کہ یہ تحریک مختلف اور رجحیت کی تمام صورتوں کی مخالف اور تعمیر د ترقی اور پیش قدمی کی تمام شکلوں کی دوست ہے۔ فیصلہ عظیم کے دور حکومت میں سعودی عرب نے جو یہ بے مثل ترقی کی ہے۔ اطراف و اکناف عالم میں اس کی شہرت ہے۔ یہ شہرت صرف عربی و اسلامی ممالک تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ یورپ اور امریکہ کے تمام ملکوں تک پہنچ چکی ہے۔

یہ ایک اصلاحی تحریک ہے

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

”دہائی تحریک نے دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ مخالفت میں بڑی شدت اختیار کر لی تھی۔ خصوصاً جمہور مسلمانوں کے یہ لوگ شدید مخالفت تھے۔“

ہم ڈاکٹر صاحب سے ایک بار پھر یہ ناگوار بات سُن رہے ہیں اور ایک بار پھر ڈاکٹر صاحب وہابی تحریک کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں کہ اس تحریک نے دیگر اسلامی فرقوں کے ساتھ مخالفت میں نہایت شدت کی راہ اختیار کر لی تھی۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس تحریک پر واجب تھا کہ یہ بدعات و منکرات پر خاموشی اختیار کیے رکھتی اور جمہور مسلمانوں کو خوش کر لیتی اور اگر یہ فی الواقع خاموش ہی رہتی، تو اس تحریک کے کیا معنی؟ جو تحریک برپا ہی تصبیح عقائد کے لیے ہوئی ہو، اس سے یہ توقع ہی کیوں کہ اختلاف سے بچنے کے مفروضے کے باعث وہ بدعات، منکرات اور خرافات سے چشم پوشی کرتی؟

اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ
الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ
حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ
اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے
اور نہ عیسائی۔ یہاں تک کہ ان کے
مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔

(البقرہ ۱۲۰)

جمہور کی مثال بھی ان یہود و نصاریٰ جیسی ہے کہ یہ بھی صرف اس سے خوش ہو سکتے ہیں جو انہیں اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرنے کی کھلی چٹائی دینے رکھیں۔ کچھ مشرکین مکہ نے بھی آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طعنہ دیا تھا،

”آپ ایک ایسا دین لائے ہیں، جس سے آپ نے اپنی قوم کی مخالفت کی ہے اور ان کے شیرازے کو منتشر کر دیا ہے۔“

ڈاکٹر صاحب جیسے فلسفی انسان سے اس قسم کے کلام کا صدور باعثِ تعجب ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب جانتے ہیں کہ اصلاحی تحریکوں کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن تحریکیں لوگوں کی مخالفتوں سے ڈرتے ہوئے دعوتِ اصلاح کے کام کو چھوڑ نہیں دیا کرتیں۔

دہائی تحریک نے لوگوں کی ناراضی یا خوشی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے براہِ اس چیز کے نفاذ میں نہایت سختی کی، جس کا نفاذ واجب تھا، لہذا اس تحریک کے مابین جو تصحیح عقائد اور ازالہ بدعات و منکرات کے لیے برپا ہوئی اور ان فرقوں کے مابین جو گمراہیوں اور ضلالتوں پر استوار تھے اختلاف کا پیدا ہونا ایک ضروری امر تھا۔

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر خود ہی اندازہ فرمائیے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات میں کیا وزن ہے کہ یہ تحریک جمہورِ مسلمانوں کی نہایت شدید مخالف تھی؟ اور پھر جمہور اور ان کے میلانات و رجحانات کا حق و انصاف کے میزان میں اتنا وزن ہی کب ہوتا ہے کہ ان کے باعث واجباتِ دین اور نصوصِ شرعیہ کو ترک کر دیا جائے۔



دوبابی تحریک — افکار و اعمال کے آئینہ میں

دعوت و عمل

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

”دوبابی تحریک کی دعوت تو کتاب و سنت کی دعوت ہے، لیکن اس تحریک کا عمل اس وضع اور ہدف سے بہت بعید ہے جس کی طرف ابن تیمیہؒ نے دعوت دی تھی۔ اس تحریک کی عملی تفسیر سے کچھ مترشح یوں ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی دور کے مسلمانوں کی بدوی زندگی کی طرف دعوت ہے، اس روشن اسلام کی طرف دعوت نہیں جو قرآن اور سنت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے، وہ اسلام جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی تہذیب سے برتر ہے، وہ اسلام جو انسانی زندگی کا نہایت ارفع تصور پیش کرتا ہے اور وہ اسلام جو کہ معاشرے کی تشکیل میں ہر طرح کی تہذیب و ترقی سے فائق تر ہے۔“

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست ہے کہ تحریک نے اپنی دعوت کے مطابق عمل بھی کیا اور اس دعوت میں قطعاً کوئی خوبی نہیں جو سراسر نظری و فکری اور عملی ہو۔ ایسی تحریک و دعوت بے برگ و بار اور سرطیع الزوال ہوتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ بات قطعاً درست نہیں :

”اس تحریک کا عمل اس وضع اور ہدف سے بہت بعید ہے جس کی طرف ابن تیمیہؒ نے دعوت دی تھی۔“

کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ اگر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے زمانے میں اتنی قوت حاصل کر لیتے جتنی کہ شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت کو نصیب ہوئی، تو وہ بھی یقیناً وہی کچھ کرتے جو اس تحریک سے وابستہ حضرات نے کیا ہے۔ اس کے باوجود حضرت امام ابن تیمیہؒ اور آپ کے متبعین نے (جن کی تعداد اگرچہ قلیل تھی، عملی اصلاحات کے لیے مقدور جہد و جہد کی گویا یہ دعوت عملی و تطبیقی اعتبار سے اس منہج پر رواں دواں رہی جو ابتداء میں وضع کر لیا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا جو یہ دہم ہے کہ تحریک نے عمل و تطبیق میں غلطی کی ہے یا نفاذ میں غلو سے کام لیا ہے، یہ کوئی منطقی بات نہیں، بلکہ سراسر جذباتی ہے، کیونکہ منطقی اعتبار سے تو یہ بات درست نہیں کہ یہ تحریک ایسے امور کا مشاہدہ کرتی جو توحید کے منافی ہیں اور پھر ان امور سے متعلقہ اشخاص کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لیتی۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ اس تحریک کی عملی تطبیق سے کچھ یوں مترشح ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی دور کے مسلمانوں کی بدوی زندگی کی طرف دعوت ہے۔ اس اسلام کی طرف نہیں جو کتاب اور سنت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس ایک بات میں کئی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اول ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کی زندگی پر بدویت اور تنزّل کا الزام لگایا ہے، حالانکہ یہ زندگی انسانی زندگی کی تاریخ میں ایک نہایت ارفع و اعلیٰ نمونہ ہے۔ انسانیت اب تک جس قدر تہذیب سے روشناس ہوئی ہے، یہ زندگی اس میں سب سے عمدہ مثال ہے، کیونکہ اس تہذیب کی قیادت قرآن عظیم نے کی تھی اور اس تہذیب کی بنیاد اس فخر موجودات، سید کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے رکھی تھی کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک دنیا نے کمال انسانی کے اعتبار سے ان کا کوئی مہیم و شریک نہیں دیکھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب کے ضمیر نے اس بات کو کیسے گوارا کیا کہ انہوں نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کی زندگی کو ہدف تنقید بنایا کہ اگر ہم یہ طعن کسی عیسائی یا مستشرق کی زبان سے سنتے، تو یقیناً اسے اسلام دشمنی اور کیجی پر محمول کرتے، لیکن تعجب ہے کہ ہم یہ الفاظ ایک مسلمان ڈاکٹر کی زبان سے سن رہے ہیں۔ تو بجز اس کے کیا کہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے اسے ڈاکٹر!

دوم : ڈاکٹر صاحب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں (یعنی حضرات صحابہ کرامؓ)، پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کا عمل قرآن و سنت پر مبنی واضح اور روشن اسلام پر نہ تھا۔ تعجب ہے کہ اگر اسلام کا یہ اولین قافلہ واضح و روشن اسلام پر عمل پیرا نہ تھا، تو پھر اور کون صحیح اور سچے اسلام پر عمل پیرا ہو سکتا ہے، کیونکہ ان حضرات نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا۔ دین اسلام کو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے سیکھا۔ صحبت نبوی کی سعادت حاصل کی اور حضور سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے قربیت حاصل کی اور یہ ایسا اعزاز ہے جو انسانیت کو اپنی طویل ترین تاریخ کے کسی دور میں بھی میسر نہ آسکا۔

تو محترم ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی بتائیے کہ اگر یہ حضرات واضح اور روشن اسلام پر نہ تھے، تو پھر اور کون لوگ تھے؟

سوم : ڈاکٹر صاحب نے تیسری غلطی کا ارتکاب یہ کیا ہے کہ انہوں نے اسلام کی بڑی عجیب و غریب تفسیر کی ہے، یعنی ان کے نزدیک روشن اسلام وہ ہے جو آئین اور ٹیکنالوجی سے فوقیت لے جاتے۔۔۔۔۔ حالانکہ اسلام کو اس قسم کی

تفسیر و تعبیر کی قطعاً حاجت نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی جو تصویر کشی کی ہے، اسلام ان تمام فرضی صورتوں سے فائق اور بلند تر ہے، کیونکہ اسلام ہی صرف اور صرف وہ راستہ ہے جو ہر طرح کی ترقی اور ہر انسانی کمال خواہ وہ مادی ہو یا روحانی تک پہنچنے کے لیے راہنمائی کرتا ہے۔ اگر اسلام کی وہ تفسیر بھی درست تسلیم کر لی جائے جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کی ہے تو پھر بھی وہ اپنی تحریک کو اس قسم کے اسلام سے بہرہ وافر نصیب ہے، کیونکہ آج بھی نئے زمین پر اور کوئی ایسی قوم نہیں جو سودیوں سے بڑھ کر عصر حاضر کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجادات سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔ آج سعودی عرب میں انسانی قدریں ان تمام ممالک سے بلند تر ہیں جو تہذیب کے اعتبار سے زمانہ بعید سے سبقت رکھتے تھے۔ سعودی معاشرہ آج صحیح، تہذیب یافتہ اور مسلم معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں جرائم کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس معاشرے میں قانون کی خلاف ورزی کرنے والے نہیں، ضلالتوں اور گمراہیوں میں ٹامک ٹونیاں مارنے والے بھی نہیں۔ یہاں آپ کو منشیات کے رسایا بھی نظر نہ آئیں گے اور نہ ہی حاکم کو محکوم پر ظلم و استبداد کرتے ہوئے دیکھو گے اور نہ ہی یہاں دلت، تباہی بربادی اور نفاق کے مظاہرے نظر آئیں گے جن سے مشرق و مغرب کا ہر معاشرہ جل رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب، آپ ہی سرمایے کہ اگر یہ تہذیب دہرتی نہیں تو تہذیب و ترقی کسے کہتے ہیں؟

اسلام، تہذیب اور ٹیکنالوجی

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

”وہابی تحریک ابھی تک عصر حاضر کی ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی آلات کے استعمال سے روشناس نہیں ہوئی، حالانکہ قرآن و سنت کی طرف دعوت سے اذلاً و بالذات مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی اسلام کی تعلیمات کے زیر سایہ اور سائنس و ٹیکنالوجی کی تہذیب کی صحبت میں گزاری جائے گی، کیونکہ اس صحبت کے بغیر کوئی معاشرہ معیشت اور دنیوی زندگی میں ضعف و ذلت کو خیر باد کہہ کر بلند مقام پر فائز نہیں ہو سکتا۔“

میں چونکہ ڈاکٹر بھی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں، لہذا ان کی اس بات سے مجھے انتہائی طور پر تعجب ہو رہا ہے، کیونکہ ہم نے تو گفتگو میں سلیقہ، حسن تعبیر اور عرفات نے بعد کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن حضرت خود غلط بحث کا شکار ہو رہے ہیں اور عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ رہے ہیں، وگرنہ ڈاکٹر صاحب کی اس بات کے کیا معنی ہیں کہ وہابی تحریک ابھی تک عصر حاضر کی ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی آلات سے روشناس نہیں ہوئی۔ ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی آلات سے ڈاکٹر صاحب کو مراد غالباً ان کی یہ کتاب ہے جو تین سال قبل طبع ہوئی تھی، ورنہ دنیا کے طول و عرض پر نگاہ ڈال کر دیکھ لیجئے، آپ کو کوئی ایسا ایک شخص بھی نظر نہ آئے گا، جو اسی حکومت کے بارے میں اس قسم کی بات کہہ سکے جسے ساری دنیا جانتی ہے اور دنیا یہ بھی جانتی ہے کہ یہ ملک انواع و اقسام کے جدید سائنسی آلات کے استعمال کو بخوبی جانتا ہے۔

آج سعودی عرب کا بچہ بچہ گاڑی چلانا جانتا ہے، گاڑی کے تمام پرنسوں اور ان کی مرمت کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ دامام کی شہرہ آفاق آرامکو کمپنی میں اکثر و بیشتر ٹیکنیکل امور سعودی نوجوان ہی انجام دے رہے ہیں۔

نہیں معاذم کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ الزام دہائی تحریک پر عائد کیا ہے یا اس کے مومن پیروکاروں پر۔ اگر یہ تحریک پر الزام ہے تو درست نہیں، کیونکہ یہ بات تحریک کے مبادیات میں شامل نہیں کہ وہ جدید ایجادات اور سائنسی اختراعات کے بدال و قتال شروع کر دے، کیونکہ مادی زندگی کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اسلام میں ہر اس نئی چیز سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جس کا استعمال اسلام کے اساسیات و مبادیات سے متعارض نہ ہو۔ اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ الزام تحریک کے کارکنوں اور پیروکاروں پر ہے تو پھر بھی درست نہیں، کیونکہ سب عوام و خواص جانتے ہیں کہ دیگر ممالک کے باشندوں کی طرح سعودی عرب کے لوگ بھی آج جدید ایجادات اور تہذیب عصر حاضر کی احترامات سے مکمل طور پر مستفید ہو رہے ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب ہی وہ واحد انسان ہیں جو سعودی عرب کے باشندوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ لوگ ابھی تک صحرائشین ہیں۔ صرف اونٹوں ہی کی سواری کرنا جانتے ہیں، لکڑی کا ایندھن استعمال کرتے اور اینٹوں کے چٹولوں پر کھانا پکاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات درست ہے کہ قرآن و سنت کی طرف دعوت سے اظہار و بالذات مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی اسلامی تعلیمات کے زیر سایہ بسر کی جائے۔ اسلام نے زندگی بسر کرنے کے لیے ایک باقاعدہ اسلوب وضع کیا ہے، لہذا زندگی افضل و اعلیٰ طریقے سے بسر کرنے کے لیے یہ از بس ضروری ہے کہ نظام حیات کو اسلامی اساس پر استوار کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے جو مسائل اور ٹیکنالوجی کی صحبت کی شرط لگا دی ہے۔ معلوم نہیں اس کا مصدر و ماخذ کیا ہے؟ سائنس اور ٹیکنالوجی کی زندگی اسالیب، معیشت میں سے ایک ایسا اسلوب ہے کہ جس کے تحت مشقتیں کم اور راحت و آرام کی فراوانی ہو جاتی ہے، لیکن یہاں ڈاکٹر صاحب

غلط بحث کر رہے ہیں، کیونکہ جب ہم قرآن و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو اس سے مقصود سائنس اور ٹیکنالوجی کے مطابق زندگی بسر کرنا نہیں ہوتا تو یہ بجا کہ اسلام اپنے ماننے والے حضرات کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کی نئی نئی ایجادات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص ان سے فائدہ نہ اٹھائے، وہ مسلمان ہی نہیں۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے قبل مفکرین اسلام میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا۔

کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب کہ مثلاً ایک مسلمان معاشرہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل طور پر عمل پیرا ہے، لیکن اس کا نظام معیشت محدود وسائل اور چند ابتدائی ایجادات کو سے استفادہ پر ہی موقوف ہے، یعنی وہ ایجادات جدیدہ سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہو رہا تو کیا یہ معاشرہ مسلمان کہلاتے گا یا اسے خارج از اسلام قرار دیا جائے گا؟

نظام حیات اور اس کی اسلامی اساس پر استواری

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

”وہابی تحریک فکری و عملی اعتبار سے اب تک جزیرۃ العرب میں کوئی مثبت اور مؤثر کردار ادا نہیں کر سکی۔ اس تحریک نے مختلف اسلامی ممالک کے ربط و اتحاد کے سلسلے میں بھی کوئی قابل قدر کام نہیں کیا اور نہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انفرادی و اجتماعی تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور نئے نئے مسائل اور زندگی کے مختلف اسالیب سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“

معلوم نہیں فکری و عملی اعتبار سے تحریک کے کردار سے ڈاکٹر صاحب کیا مراد دیتے ہیں ہم تو صرف اس قدر جانتے ہیں کہ تحریک فکری اعتبار سے اس بات پر زور دیتی ہے کہ اسلامی عقیدے کے صحیح تصور کو ابھار کیا جائے۔ ان مفہومات کو واضح کیا جائے جو تخریبی عوامل سے اثر پذیری کے باعث مسلمان معاشرے میں بھی اپنا تشخص کھو بیٹھتے ہیں اور عملی اعتبار سے تحریک کے پیش نظر سب سے اہم بات یہ ہے کہ عقیدہ توحید کی حفاظت کی جائے، اسے بے ہمتی اور دشمنیت کی آلائشوں سے پاک کیا جائے اور تشریحی، اقتصادی، اجتماعی اور ہر اعتبار سے نظام حیات کو مکمل طور پر اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ تحریک ابھی تک سعودی عرب کی بیداری میں کوئی مثبت اور مؤثر کردار ادا نہیں کر سکی، تو یہ محض ان کی ذاتی رائے ہے اور ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے، لیکن جہاں تک امر واقع کا تعلق ہے۔ تحریک نے بیداری اور ترقی کی راہ میں کبھی رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ ہر وہ شخص جسے قدرت نے دیکھنے کے لیے دو آنکھیں عنایت فرمائی ہوں، وہ یہاں بیداری اور تمدن و تہذیب کے بے پایاں مظاہر آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے ہوئے دیکھ سکتا ہے اور سعودی عرب کی زیارت کرنے والا ہر شخص زندگی کے تمام گوشوں میں ان کے اثرات کا مشاہدہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا!

ہماری شدید خواہش ہے کہ ڈاکٹر صاحب بنفس نفیس ان مقدس دیار و بلاد کی زیارت کے لیے تشریف لائیں اور جہاں جہاں ان کی نظر پڑتی ہے اسے اس مبارک تحریک کے اثرات کا جائزہ لیتے جائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا،

”اس تحریک نے مختلف اسلامی ممالک کے ربط و اتحاد کے

سلسلے میں بھی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کیا۔“

اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کہ دینا کافی ہے کہ باقی ادوار سے قطع نظر آپ صرف موجودہ سعودی عرب کے حکمران حضرت جلالتہ الملک المغفور لہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود کے دورِ عظیم پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیے، تو آپ کو معلوم ہو گا کہ انہوں نے عالمِ اسلام کے متفرق و منتشر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کس قدر مساعی جملہ انجام دی ہیں اور کس قدر حسن و خوبی کے ساتھ ایمانی اخوت کے شعلے ان کے دلوں میں بھڑکا دیے ہیں۔ یہ آپ کی سچی مشکور اور جہد و جدہ پر ہی کا ثمرہ طیبہ تھا کہ رباط اور لاہور میں دو عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور پھر عالمِ اسلام کے وزرائے خارجہ کی مسلسل کئی کانفرنسیں انعقاد پذیر ہوئیں۔ پھر ”رابطہ عالمِ اسلامی“ کی تاسیس جو اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں کو ایک سلک مروارید میں منسلک کیے ہوئے ہے۔ مختلف اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کی قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ان جماعتوں اور تنظیموں کی علمی و دینی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ ان کے مسائل کے حل کے لیے مکہ مکرمہ میں وقتاً فوقتاً کانفرنسوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ اب بھی جبکہ راقم یہ سطور تحریر کر رہا ہے مکہ مکرمہ میں ”رابطہ“ کے زیرِ اہتمام اسی قسم کی ایک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی جس میں چوراسی اسلامی ملکوں کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اتحادِ عالمِ اسلام ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اسی طرح جلالتہ الملک جو مختلف عربی و اسلامی ممالک میں اسلامی مراکز اور مساجد تعمیر کروا رہے ہیں اور دینی و اصلاحی تنظیموں کے ساتھ تعاون فرما رہے ہیں، یہ بھی عالمِ اسلام کے اتحاد ہی کے سلسلے کی مساعی جملہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو ہم یاد دلاتے ہیں کہ ابھی پچھلے دنوں جلالتہ الملک نے بہت سے افریقی ممالک کا دورہ کیا تاکہ اپنے مسلمان بھائیوں کے احوال معلوم کریں، چنانچہ آپ کے یہ دورے بہت کامیاب رہے۔ آپ نے بہت سے ممالک کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات منقطع کروا دیے اور ڈپلومیسی تبدیل کروا دی۔ اسی طرح پچھلے دنوں آپ

نے جو فرانس کا دورہ کیا، اس سے عربوں کے مسئلے کے لیے نہ صرف فرانس کی تائید حاصل کی، بلکہ مغربی یورپ کے سارے ملکوں کی تائید بھی حاصل کر لی۔

جناب ڈاکٹر صاحب! دہائیوں کے بادشاہ نے اتحادِ عالمِ اسلامی کے سلسلے میں جو بکثرت مساعی جمیلہ انجام دی ہیں، ان میں سے یہ چند ایک ”مشتے نمونہ از خروائے“ پیش کی گئی ہیں، تو کیا انہیں ملاحظہ کرنے کے بعد بھی آپ اسی رے پر قائم رہیں گے کہ وہابی تحریک نے عالمِ اسلام اور مختلف اسلامی جماعتوں کے درمیان ربط و اتحاد پیدا کرنے کے سلسلے میں کوئی مثبت اور مؤثر کردار انجام نہیں دیا؟

سعودی عرب میں اسلامی قانون کا تجربہ

ڈاکٹر صاحب نے جو یہ کہا:

”تحریک کوئی ایسا کارنامہ بھی سرانجام نہیں دے سکی جس سے معلوم ہو کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انفرادی اور اجتماعی تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور نئے نئے مسائل اور زندگی کے مختلف اسالیب سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“

تویوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بر ملا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سعودی عرب میں اسلامی قانون کا تجربہ کچھ کامیاب نہیں رہا، لیکن میرا خیال ہے کہ سعودی عرب کے دشمنوں میں سے بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا، کیونکہ ایسا دعویٰ کرنے والا لوگوں کے لیے اسخو کہ بنے گا یا اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ دوستوں سے قبل دشمنوں کی یہ شہادت ہے کہ سعودی عرب کا قانون عدل و انصاف اور امن و استقرار کے قائم کرنے میں ضرب المثل بن چکا ہے۔ یہ سب کچھ اسلامی حدود کے نفاذ کی برکتوں کا نتیجہ ہے۔ ایک اچھے قانون کے فیوض و برکات سے اللہ تعالیٰ

نے جس قدر سعودی عرب کو نوازا ہے، رشتے زمین میں ڈھونڈے سے بھی اس کی مثال نہیں ملے گی۔ باقی رہا فرد کی اصلاح کا معاملہ تو یہاں فکری، اخلاقی اور وجدانی ہر اعتبار سے فرد کی اصلاح پر مکمل توجہ دی جاتی ہے۔

نئے نئے مسائل اور مختلف اسالیب حیات سے عہدہ برآ ہونے کے اعتبار سے سعودی عرب ہی وہ ملک ہے جس نے تہذیب عصر حاضر سے فائدہ تو ضرور اٹھایا، لیکن ساتھ ہی اپنے تشخص کو بھی برقرار رکھا۔ بہت سے دیگر اسلامی ممالک کی طرح تہذیب عصر حاضر میں اپنی انفرادیت اور تشخص ہی کو کھو نہیں دیا، یعنی عصر حاضر کی تہذیب کے سامنے سعودی عرب نہایت متانت سے ایک مسلمان ملک کی حیثیت سے کھڑا ہوا ہے جسے معلوم ہے کہ اپنے دین، اخلاق اور عادات و اطوار کو نقصان پہنچائے بغیر دیگر اقوام اور ان کی تہذیب سے کیسے استفادہ کرنا چاہیے؟

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں،

”دہائی تحریک کے بنیادی فکر اور عملی کردار میں نمایاں فرق ہے۔

دہائی فکر اور عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھتے ہیں، خود ہی پھر اس کی

تردید کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موقع و محل اور شائستگی کا لحاظ

کیے بغیر تکلف اور تصنع سے بھی کام لیتے ہیں۔“

یقین نہیں آ رہا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کا کلام ہو سکتا ہے۔ معلوم کچھ یوں ہوتا ہے

کہ انہوں نے یہ سب کچھ شدید انفعالی کیفیت میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آغاز

تو سخت ناراضی اور غصے سے کیا تھا، لیکن اب الزامات کے اینٹ اور پتھر برسائے

ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ گفتگو انتہائی ناشائستہ ہے، اس پر ان کا محاکمہ کیا جانا ضروری

تھا اور لازم تھا کہ وہ اس کا خمیازہ بھگتے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلا

الزام تو دو دہائیوں پر یہ لگایا ہے کہ انہیں منافقت کا طعنہ دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ

سعودی تلوار بھی ان کی نصرت و اعانت اور ان کے احتساب کے لیے لہرا رہی تھی۔
 اس تحریک پر اللہ تعالیٰ کی یہ بے پایاں کرم نوازی ہے کہ اس نے اس تحریک کو تلوار کی قوت بخشی اور قلم و زبان کی طاقت بھی جس کے بیش بہا ثمرات مرتب ہوئے
 اور تحریک سوتے منزل رواں دواں رہی، نہ تو کسی حاکم کا استبداد اور نہ کسی مکران کا
 ظلم اس قافلہ حریت کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکا ہے
 تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے وہابیت پر تنقید کے لیے تو اس قدر درشت
 اور تلخ لہجہ اختیار کیا، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ ایک مرتبہ بھی انہوں نے قبر پرستوں یا صوفیاء
 کی تردید میں قلم اٹھایا ہو۔ ڈاکٹر صاحب آپ ہی کیئے کہ یہ کیا انداز گفتگو ہے؟
 ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

”وہابی جماعت کی زندگی بھی ایسے ہی ہے جیسے کسی بھی دوسری
 اسلامی جماعت کی زندگی ہو، یعنی یہ جماعتیں اسلامی افکار و آراء سے
 علیحدہ ہو کر اپنے اپنے راستوں پر چلتی رہتی ہیں، کبھی ان کا رجحان
 مشرقی عوامل کی طرف ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ ایسی عادات و تقالید کو
 اختیار کر لیتی ہیں جن کا کوئی ایک مصدر نہیں ہوتا۔“

ڈاکٹر صاحب نے یہاں وہابی تحریک سمیت تمام اسلامی جماعتوں کو مورد
 الزام ٹھہرایا ہے کہ یہ سب کی سب جماعتیں اسلامی افکار و آراء سے دُور ہو کر
 اپنی اپنی خود ساختہ راہوں پر چلتی رہتی ہیں۔ نہیں معلوم اسلامی افکار و آراء ڈاکٹر صاحب
 کی مراد کیا ہے؟ جن سے تمام اسلامی جماعتوں نے علیحدگی اختیار کر لی ہے؟ کیا ان سے
 متکلمین، فلاسفہ اور صوفیاء کی آراء مراد ہیں جنہوں نے فکری تولید گیموں اور شطیحات کے
 باعث اسلامی عقائد کے رُوتے زیبا کو گھنا دیا ہے؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے
 تو پھر بتائیے کہ اسلامی جماعتوں کو ان پیچیدہ افکار اور متعصن آراء کے اختیار کرنے کی کیا

جو کچھ کہتے ہیں، اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ مزید یہ کہ ان کی دعوت کا عملی اور واقعاتی زندگی پر قطعاً کوئی اثر نہیں۔ دوسرا الزام ڈاکٹر صاحب نے یہ دیا ہے کہ یہ لوگ جاہل ہیں۔ جو کچھ پڑھتے ہیں، وہ سمجھتے نہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اصل عبارتوں کے مدلول سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ پھر تیسرا الزام ڈاکٹر صاحب کا یہ ہے کہ انہوں نے کچھ باتیں اپنے جی میں گھڑ لی ہیں اور نہایت تکلف اور تصنع سے ان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب! افسوس کہ غضب اور انفعال کی کیفیت میں حقیقت آپ سے مخفی رہی، لہذا آپ کے یہ تینوں اتہامات غلط ہیں۔ دہائی تحریک سے وابستگان کے فکر اور عمل میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ کوئی بھی اسلامی تحریک ایسی نہیں جس نے دہائی تحریک کی طرح پوری امانت و دیانت کے ساتھ اپنے افکار و نظریات پر عمل کر دکھایا ہو۔ دہائی تحریک کے بقار اور رسوخ کا بھی شاید یہی سبب ہے، بلکہ اب تو دہائی تحریک فکر کے ایک خاص اسلوب اور نظام حیات کے مخصوص انداز سے تعبیر ہے۔ دہائی فکر و عقیدہ ہرگز اس بات کا متقاضی نہیں کہ جو کچھ پڑھو اس کی تردید کرو۔ بلکہ دہائی فکر تو فہم سلیم، ایمان کامل اور سچی دعوت سے عبارت ہے۔ دہائی تحریک نے بہت سے ایسے علماء کرام کو جنم دیا جن کے فکر میں سلامتی، گفتگو میں شیرینی و فصاحت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں خاص وزن تھا، اسی طرح اس تحریک نے کبھی بھی تکلف اور تصنع سے کام نہیں لیا، بلکہ یہ تو اس شخص کی دعوت ہے جو خواہشات نفس اور عصیت سے پاک تھا اور بڑے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے امت کو گمراہیوں اور ضلالتوں سے بچانے کے لیے سرگرم عمل ہوا تھا۔

آپ کے بعد تحریک کے علمبردار آپ کے صاحبزادگان گرامی، اولاد و احفاد، شاگردان کرام اور دوست و احباب تھے جو کہ امانت و دیانت کے پیکر تھے اور پھر

ضرورت ہے۔ اگر آپ کی مراد افکارِ سلیمہ اور آراءِ مستقیمہ سے ہے جو خواہشِ نفس اور اندھی تقلید کی تباہ کاریوں سے متاثر نہ ہوئے ہوں جیسے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ کے آراء و افکار ہیں، تو یہ بات بلا خوفِ تردید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی تحریک نے ان جیسے افکار و آراء سے کبھی سرِ موبھی انحراف نہیں کیا بلکہ تحریک ان آراء و افکار سے مکمل طور پر اتصال و اتحاد رکھتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات کہ تحریک کا رجحان کبھی مشرقی عوامل کی طرف ہوتا ہے اور کبھی مغربی کی طرف، سبے بنیاد اور باطل اتہام ہے۔ تحریک نے اپنی عمر کے کسی حصہ میں کبھی بھی اسلام سے بعید نہ تو مشرقی عوامل کی طرف توجہ دی ہے اور نہ مغربی عوامل کی طرف اور نہ انشاء اللہ آئندہ کبھی ان کی طرف توجہ دے گی۔ اسی طرح یہ تحریک صرف انہی عادات و اطوار سے روشناس ہے جو اسلام کے مقرر کردہ ہیں۔ مختصر یہ کہ جملہ امور میں تحریک کے پیش نظر صرف ایک ہی مصدر و ماخذ ہے اور وہ دجی الہی خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا سنت کی شکل میں۔ تحریک اس مصدر سے منحرف ہو کر نہ مشرق کی طرف دیکھتی ہے اور نہ مغرب کی جانب، بلکہ ہر وقت اس کے پیش نظر سورۃ النعام میں وارد یہ ارشاد باری تعالیٰ رہتا ہے :

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ
فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی
پر چلنا اور دیگر رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر
چل کر خدا تعالیٰ کے رستے سے الگ
ہو جاؤ گے۔

(النعام - ۱۵۳)

ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں :

”امید کی جاتی تھی کہ سبکی و ایجابی ہر اعتبار سے اصلی اسلامی فکر کے مطابق عمل کرنے کے باعث یہ تحریک ہر اسلامی تحریک سے ممتاز

ہوگی اور اس تحریک سے وابستہ جماعت کے ہر فرد کی زندگی داعی تحریک کے افکار کا نمایاں عنوان ہوگی۔“

ڈاکٹر صاحب جس کی امید رکھتے ہیں، یہ درحقیقت عملی طور پر وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ سعودی حکومت جو اس تحریک کی دست و بازو بنی۔ اس نے تمام حوادث سے بچایا، جو دیگر اسلامی جماعتوں کو پیش آئے؛ چنانچہ تحریک نے سعودی حکومت کی حمایت کے زیر سایہ منزلی مقصود کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھائے۔ تحریک سے وابستہ حضرات نے اساسی فکر کے مطابق عملی زندگی اختیار کی اور جماعت کی زندگی فی الواقع ان مبادیات کا عنوان بن گئی جن کا بانی تحریک نے اعلان کیا تھا۔ تحریک میں کبھی بھی کوئی مختلف رویہ نہیں ہوا نہ نظری اعتبار سے اور نہ عملی اعتبار سے۔ نہ داعی تحریک کی زندگی میں اور نہ جماعت کی زندگی میں جیسے کہ بعض دیگر تحریکیں حکومتوں کے زیر سایہ آنے کے باعث مختلف کا شکار ہو گئی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں،

”وہابی تحریک کی طرف سے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور سعودی حکومت کی طرف سے امیر محمد بن سعودؒ کے مابین ۱۱۵۷ھ میں باہمی معاہدہ ہوا، جس کی رو سے وہابی مذہب کی تعلیمات اور حکومت وقت کے مابین گویا اخوت کی فضا پیدا ہوئی، اس سے سعودی عرب میں نقصان یہ ہوا کہ تعلیمی میدان میں انحطاط پیدا ہو گیا اور دینی و دنیوی اعتبار سے تعلیمی میدان میں بھی تفریق پیدا کر دی گئی۔“

امرواقع ایسے نہیں جیسے ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا ہے، بلکہ صورت حال اس سے یکسر مختلف ہے اور وہ یہ کہ شیخ دامیر کے معاہدے سے لے کر ۱۳۴۴ھ تک تعلیم نظامی کا رواج رہا ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں یعنی مذکورہ معاہدے کے ایک سو ستر برس بعد یہاں

ایجوکیشنل کارپوریشن قائم کی گئی، اس دور تک تعلیم تمام کی تمام دینی تھی۔ طلبہ اپنے اساتذہ سے مساجد میں تعلیم حاصل کرتے تھے، بالکل ایسے ہی جیسے مصر کے جامعہ ازہر اور بعض دیگر بڑی بڑی مساجد میں انتظام ہے۔ پھر وزارت معارف نے مکہ و ریاض میں اور نجد و قسیم کے بعض بڑے بڑے شہروں مثلاً عنبرہ، بریدہ، مجمعہ اور شقرہ میں درس نظامی کے دینی ادارے قائم کیے۔ ان اداروں کے لیے اساتذہ جامعہ ازہر سے طلبہ کیے جاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں ڈائریکٹر اعلیٰ ایجوکیشن تھے، تاآنکہ ۱۳۷۲ھ میں وزارت معارف قائم ہو گئی۔

اس وقت ثانوی سکول دو سے زیادہ نہ تھے۔ ایک توجہ میں تھا اور دوسرا مکہ مکرمہ میں، لہذا وزارت تعلیم مجبور ہو گئی کہ دینی و عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کے لیے مدارس کا سلسلہ شروع کرے تاکہ سعودی عرب بھی متمدن و مہذب ممالک کے شان و بشا چل سکے۔ اس سلسلے میں وزارت تعلیم نے بڑی سرگرمی دکھائی، یعنی صرف بیس سال کی مدت میں دو ہزار مدارس یعنی ہر سال ایک سو مدارس جاری کیے۔ اس کے علاوہ وزارت تعلیم نے ان مدارس کی حفاظت بھی کی جنہیں ایجوکیشنل کارپوریشن نے قائم کیا تھا تاکہ کالجوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اس طرح سعودی عرب ان ممالک کے ساتھ شامل ہو گیا جو تعلیمی میدان میں اس سے بہت لے جا چکے تھے، بلکہ بہت سے ممالک سے تو یہ فوقیت بھی لے گیا۔ اب یہاں ایک بہت بڑی علمی تحریک شروع ہو چکی ہے جسے معجزہ سے کم قرار نہیں دیا جاسکتا، حالانکہ یہاں قدم قدم پر مشکلات تھیں۔ خاص طور پر سعودی عرب کا بے پناہ رقبہ اور یہاں کے شہروں اور دیہاتوں میں بے پناہ مسافت قابل ذکر ہے۔

ان مشکلات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور تعلیمی میدان میں کام کرنے والے حضرات کی مساعی جیلہ کی بدولت یہاں علمی میدان میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔

اس سلسلے میں وزیر تعلیم جناب شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ امدہ اللہ بعونہ جو کہ بہت بڑے عالم اور ادیب ہیں، کی کاوشیں قابلِ مد ستائش ہیں۔ ان کی کاوشوں ہی کا یہ مشرہ طیبہ ہے کہ یہاں اس دور کا عظیم ترین تعلیمی انقلاب برپا ہوا ہے۔ شہر وں حتیٰ کہ وڈوہ کی بستیوں تک مدارس کے جال کو پھیلا دیا گیا ہے اور اب تو ہم وطنوں کا سب سے بڑا مقصد اپنے تئیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا ہے۔

تعلیم کا مرحلہ ابتدائی ہو، متوسط، ثانوی یا اعلیٰ ان سب مراحل میں عقیدہ اور فقہ کے ساتھ ساتھ دیگر علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، لیکن جدید معاصر علوم کے داخلِ نصاب کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں دینی علوم کے بجائے داخل کیا گیا ہے اور نہ اس سے یہ مقصد ہے کہ دینی تعلیم ان طلبہ کو دی جاتی ہے جو دہائی تحریک سے وابستہ ہیں اور دنیوی تعلیم سے ان طلبہ کو آراستہ کیا جاتا ہے جو حکومت سے تعلق رکھتے ہوں، یعنی یہاں اس قسم کی قطعاً کوئی تفریق نہیں ہے جیسے کہ ان بعض ممالک میں ہے جو استعمار کے زیرِ نگیں رہے ہیں۔ یہاں بھد اللہ دہائی تحریک کے خادموں اور حکمران سعودی خاندان کے کارکنوں کے مابین کوئی تفریق یا اختلاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"یہاں تعلیمی میدان میں انسانی ثقافت کے اعتبار سے ایک اور

تفریق بھی پائی جاتی ہے۔"

یہ تفریق بھی ڈاکٹر صاحب کے تخیل کی پیداوار ہے۔ سعودی عرب کے تمام مدارس کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انسانی ثقافت سے متعلق تمام علوم و فنون، ان کا تعلق تربیت و تعلیم سے ہو یا نفسیات سے، جغرافیہ سے ہو یا تاریخ وغیرہ سے سب بلا تمیز و تفسیق پڑھائے جاتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں تو ٹنک عبدالعزیز یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام ایک خاص ٹریننگ کالج بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں اب تو انسانی ثقافت سے متعلق ہر مضمون کے

مختص حضرات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ کسی دوسرے اسلامی ملک میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

سعودی حکومت، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور حاسدوں کی شرارت سے محفوظ رکھے۔ تعلیمی میدان میں خرچ کرنے سے قطعاً دریغ نہیں کرتی، بلکہ اساتذہ و مدرسین کی خدمت کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتی۔ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں سینکڑوں سعودی نوجوان مختلف علوم و فنون میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں اور ان کی تعداد بھی بیسیوں سے متجاوز ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد اب تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا ان کا نظم و نسق سنبھال رہے ہیں۔ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے کہ سعودی عرب اعلیٰ کو الیغائذ حضرات کے سلسلے میں خود کفیل ہو جائے گا، بلکہ دیگر برادر اسلامی ممالک کی ضرورت بھی پوری کرے گا۔

وہابی تحریک تمام اسباب حیات سے استفادہ کرتی ہے

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

وہابی مذہب کی تعلیمات ایسے ہی ہیں جیسے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں دینی تعلیمات ہیں، یعنی یہ زندگی سے بھی الگ متعلق ہیں اور عام تعلیم سے بھی۔ نیز یہاں کوئی خاص علمی اثر نہیں ہے جس سے ہم اس تحریک اور حکومت کے درمیان عملی یا عام تعلیمی میدان میں کوئی نمایاں فرق محسوس کر سکیں۔“

وہابی تحریک کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے یہ حقیقت نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو اپنے آپ کو نفسانی خواہش یا کسی فاسد غرض سے محفوظ نہیں رکھ سکا۔ ہم جناب فاضل ڈاکٹر صاحب سے یہ پوچھنے کی جسارت

مگر یہ گئے کہ انہوں نے جو یہ فرمایا: ”وہابی مذہب دین اسلام کی تعلیمات کی طرح ہے“ تو کیا وہابی مذہب کی تعلیمات دین اسلام کی تعلیمات کے علاوہ کچھ اور ہیں تاکہ ان کی یہ تشبیہ صحیح ثابت ہو سکے؟ یا ڈاکٹر صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہابی مذہب کا دینی تعلیمات میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ کسی بھی اسلامی ملک کا ہے اور پھر ڈاکٹر صاحب سب کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ زندگی اور عام تعلیم سے دُور ہو گئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی اس رائے کو صحیح نہیں سمجھتے کہ وہابی تحریک دین سے اتنا تعلق ہی رکھتی ہے، جتنا کہ دیگر اسلامی ممالک بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تحریک کے مابین جو کہ امتیازوں اور ملاوٹوں سے پاک صاف کرنے کے لیے برپا ہوئی، اور ان مذاہب منفرہ کے مابین جنہوں نے دین کو نئی نئی آراء اور عجیب فلسفوں کی وساطت سے سیکھا ہے، زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہم تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ وہابی تحریک زندگی سے دُور ہے، بلکہ یہ تو زندگی کے تمام اسباب سے بھرپور استفادہ کر رہی ہے اور یہ تحریک ان کہ دروں پیر و کاروں کے لیے معذو ماخذ ہے جو زندگی کا صحیح لطف اس کے گھنے سایوں ہی میں محسوس کرتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی مراد زندگی سے محض دنیوی زندگی کے اسباب عیش و نشاط اور جھوٹے تمدن و تہذیب کی چمک دمک ہے جس سے اکثر اسلامی ممالک کی آنکھیں چُندھیا گئی ہیں، تو وہابی تحریک اس قسم کی زندگی سے اپنے ماننے والوں کو دور رکھنے ہی میں عاقبت سمجھتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ وہابی تحریک عام تعلیم سے نفور ہے، بلکہ یہ تو اس بات کی قائل ہے کہ ہر نفع بخش علم کو حاصل کرنا چاہیئے اور حکمت و دانش جہاں سے بھی ملے، اس سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

حق کی طرف رجوع باطل میں سرگردانی سے بہتر ہے

یہ تھے ڈاکٹر محمد بھی کے دہائی تحریک سے متعلق نظریات و افکار! انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا سب کا سب اقل سے لے کر آخر تک غلط ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ سب کچھ لکھ کر اڈا تو اپنا بڑا کیا ہے کہ اپنے نفس کو ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر آمادہ کیا جن کی برائی بالکل عیاں ہے۔ پھر انہوں نے حقیقت کا بڑا کیا کہ حقیقت امر کو انہوں نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے۔ کیا ہم ڈاکٹر صاحب سے یہ امید رکھیں کہ وہ ہمارے اس تنقید و تبصرہ کی روشنی میں اپنے نفس کا احتساب کرتے ہوئے اپنے ان آراء و افکار سے رجوع کر لیں گے اور اس مشہور مثال پر عمل پیرا ہوں گے کہ حق کی طرف رجوع کر لینا باطل میں سرگردانی سے بدرجہا بہتر ہے اور ہم یہی امید رکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب حق کی طرف رجوع فرمالیں گے۔

آخر میں اللہ کریم روف و رحیم سے استدعا ہے کہ وہ ہمیں حق و انصاف کی راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور نفس کی شرارتوں اور دُور سے اعمال سے محفوظ رکھتے۔
انہ، ولی التوفیق۔



محمد خلیل ہراس

محمد خالد سیف

صدر شعبہ عقیدہ • ہائرسٹڈیز

﴿ طارق الکیٹی ﴾ فیصل آباد

شریعت کالج مکہ مکرمہ

5 ستمبر جمعۃ المبارک بوقت 5:30 بجے شام

زندگی کی اندھیری راہوں میں علم کے نور سے روشنی حاصل کریں

آپ کے مطالعہ کیلئے بہترین کتابیں

36/-

ترتیب نسواں نعمہ صدیقی / محمد خالسیف

مصری مصنفہ کی شہکار کتاب جو آپ کے گھر کا نقشہ بدل دے گی۔

60/-

کالاپانی محمد جعفر تھانی / محمد سرور طارق

ایمانی جذبوں سے سرشار ان مجاہدین کا تذکرہ جنہوں نے اپنے خون سے جہاد کی شمعیں روشن کیں۔ ”کالاپانی“ میں بسر کئے گئے 18 سالوں کی سرگزشت

60/-

انسانیت موت کے دروازے پر ابوالکلام آزاد

ابوالکلام آزاد کے سحر آفریں قلم سے ایک داستان حسرت، ایک مرقع عبرت جسے پڑھ کر دل فگار اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں

50/-

اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج

ابوالکلام آزاد

اپنے موضوع کی ایک منفرد کتاب

36/-

قول فیصل

ایک ایسی حکومت کے خلاف کلمہ حق جس کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا
ابوالکلام آزاد کا عدالت میں ایک تحریری بیان جسے صدیوں یاد رکھا جائے گا

120/-

رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ
علامہ مولانا محمد حنیف ندوی

تذکرہ امام محمد اسماعیل شہید

محمد خالد سیف کے شگفتہ قلم سے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کے
عظیم جرنیل ”شاہ اسماعیل شہید“ کی حیات مبارکہ کے لیل و نمار کا دل آویز تذکرہ

70/-

محمد خالد سیف

نماز مصطفیٰ ﷺ

نماز دین کا ستون ہے، نماز مومن کی معراج ہے، نماز پیارے نبی ﷺ کی
آنکھوں کی ٹھنڈک..... لیکن افسوس کہ آج ہماری نمازیں
”صفیں کج، دل پریشان، سجدہ بے ذوق کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ (الامشاء اللہ)
نماز کی اہمیت، مسائل اور روزمرہ کی دعاؤں اور وظائف سے مزین ایک بہترین کتب
خود پڑھیں دوستوں اور اپنے گھر والوں کو تحفہ دیجئے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے

60/-

امام ابن حجر
بروفیسر غلام احمد خیرپوری

آئمہ سلف اور اتباع سنت



ہماری کتابیں



براہ راست 25% قیمت پر حاصل کریں ○ مکمل فہرست کیلئے خط لکھیے

وہابی تحریک

بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سرزمین حرم شرک کی آلودگیوں سے داغ دار ہو گئی، کتاب و سنت کی جگہ خرافات اور رسوم جاہلیہ نے لے لی، ایک اللہ کی جگہ سینکڑوں معبود بنالیے گئے۔ بیرونی استعمار کی دست درازیاں کعبۃ اللہ اور حرم نبوی ﷺ تک دراز ہو گئی تھیں جبکہ توحید خالص اور پیغام محمد ﷺ کے پاسبان غربت و ناتوانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔

اسی دور ظلمت و استبداد میں سرزمین نجد سے ایک چشمہ پھوٹا:

"عینہ" کے ایک ممتاز علمی گھرانے کے شیخ عبدالوہاب کے نومولود بیٹے کا نام "محمد" رکھ دیا گیا۔ یہی محمد بن عبدالوہابؒ — قَوْلُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا کی صلاۃ حیات بخش کے منادی بنے۔ اس امام وقت کی نصرت و تائید کا تاج قدرت الہی نے نموس خاندان سعودیہ امیر محمد بن سعود کے سر پر رکھ دیا۔ دنیا کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کا یہ عمدہ پیمان اس عظیم انقلاب کی بنیاد بنا جس نے کتاب و سنت کے چراغ روشن کئے مسلمانوں کے عقائد و

اخلاق کی اصلاح کی اور جزیرۃ العرب کے علاوہ پوری اسلامی دنیا

میں دعوت الی اللہ کی داغ بیل ڈالی

اسی مقدس کارواں کا نام وہابی تحریک ہے

الحمد للہ! آج پوری انسانی دنیا اس تحریک کی بدولت پیغام اسلام کی ضوفشانیوں سے منور ہو رہی ہے۔